POSTED AT N.D.P.S.O, New Delhi-01
ON 17-18 August 2017, R.N.I No. 2186/57
POSTAL REGN. NO. DL (C) -01/1195/2015-17, Licensed to Post
Without Prepayment U (C) 160/2015-17, ISSN 2456-8511
Total Pages 8

ہفت روزہ
# ہماری زبان
HAMARI ZABAN
(Weekly)
اشاعت کا 78 واں سال

Date of Publication: 16-08-17 Price: 3/- (22-28 August 2017, Issue: 32, Vol: 76) ۲۲ تا ۲۸ راگست ۲۰۱۷ء، شمارہ:۳۲، جلد:۷۶

**فراق گورکھپوری کی یومِ پیدائش (28 اگست) پر خاص پیش کش**

# فراق کی شاعری میں عورت کے روپ

علی احمد فاطمی

**اُردو غزل** اور وارداتِ قلب وجگر یا معاملاتِ حسن وعشق کا چولی دامن کا ساتھ رہا ہے کچھ اس حد تک کہ زیادہ تر غزل کے عشّاق اور شاعر غزل کا مطلب ہی وصل وہجر، لب ورخسار وغیرہ کی باتیں سمجھتے ہیں اور اس حوالے سے غزل کو ایک رومانی اور غنائی صنف سمجھ کر سیر وتفریح یا چٹخارے کی شے سمجھتے رہے ہیں۔ اس کو لے کر اردو شاعری بالعموم اور غزلیہ شاعری بالخصوص نیک نام سے زیادہ بدنام ہوئی۔ یہ سچ ہے کہ غزل کا جو لطیف مزاج ہے یا اس کی جو روایت رہی ہے اس کے مرکزی موضوعات کم وبیش یہی رہے۔ فراق گورکھپوری نے اپنی مشہور کتاب ''اردو کی عشقیہ شاعری'' میں ایک جگہ لکھا ہے: ''اردو کی عشقیہ شاعری کا عطر ہمیں اردو غزل میں ملتا ہے''۔ فراق آگے لکھتے ہیں:

''کیا غزل کی تکنیک ہمیں اس کی اجازت دیتی ہے کہ ٹھیٹھ محبت کے جذبات ونفسیات یا حیات وکائنات کے مرکزی حقائق اور اصولوں کے علاوہ ہم کچھ کہیں؟ ہم غزل کو فروعات وتفصیلات اور خارجی تسلسل کے اطناب سے محفوظ رکھیں تبھی اچھا ہے — لیکن اک سُراپن تھکا دینے والی یکسانیت کی خرابی سے بھی غزل کو بچانا چاہیے''۔

لیکن کیا معاملاتِ حسن وعشق میں بھی اک سُراپن اور تھکا دینے والی یکسانیت ہوسکتی ہے جب کہ معاملاتِ عشق یا جذبۂ عشق سدا بہار ہے اور صدیوں سے رواں دواں ہے اور رواں دواں رہے گا اور پھر فراق بھی تو کہتے ہیں:

ہزار بار زمانہ اِدھر سے گزرا ہے
نئی نئی سی کچھ تیری رہگذر پھر بھی

فراق بھی اپنی غزلیہ شاعری کے حوالے سے شاعرِ جمال کہلائے، بہ الفاظِ دیگر حسن وعشق کے شاعر، لیکن اُن کا حسن وعشق صرف جنس وجسم تک محدود نہ تھا حالاں کہ وہ ان موضوعات کو بھی بے حد اہمیت دیتے ہیں اور یہاں تک کہہ دیتے ہیں:

ذرا وصال کے بعد آئینہ تو دیکھ اے دوست
ترے جمال کی دوشیزگی نکھر آئی
عشق کی آگ ہے وہ آتشِ خود سوز فراق
کہ جلا بھی نہ سکوں اور بُجھا نہ سکوں

ایسے عشقیہ اشعار روایتی نوعیت کے ہیں لیکن ان کا عشق جب پھیلتا ہے تو کون ومکاں کو سمیٹ لیتا ہے، اس میں معشوق سے زیادہ انسان سما جاتا ہے۔ یہ دو شعر دیکھیے:

حاصلِ حسن وعشق بس ہے یہی
آدمی آدمی کو پہچانے
زندگی کو بھی منہ دکھانا ہے
رو چکے تیرے بے قرار بہت

اور جب فراق اس زندگی سے روبرو ہوئے — براہِ راست اس سے مڈبھیڑ ہوئی تو نہ صرف تصورِ عشق میں غیر معمولی تبدیلی آئی بلکہ محبوب بھی بدل گیا۔ انگریزی سے ایم.اے کرنے، ترقی پسند تحریک سے وابستہ ہونے اور تحریکِ آزادی میں شریک ہونے، اشتراکیت کے قریب آنے کے بعد یہی فراق یہ کہنے پر مجبور ہوئے:

ترا فراق تو اس دم ترا فراق ہوا
جب اُن سے پیار کیا میں نے جن سے پیار نہیں
رفتہ رفتہ عشق مانوس جہاں ہوتا گیا
خود کو تیرے ہجر میں تنہا سمجھ بیٹھے تھے ہم

حالاں کہ فراق کم عمری میں والد کے انتقال کے بعد تنہا بھی ہوئے۔ غلط قسم کی شادی سے اُن کی زندگی ویران بھی ہوئی لیکن اسی تنہائی اور ویرانی نے اُنھیں ہندستان کی اُس تاریخ وتہذیب سے جوڑ دیا جسے ہندو تہذیب بھی کہہ سکتے ہیں۔ ہندستانی اور ہندو تہذیب کا وہ قدیم کلچر اور تصور جہاں عورت صورت پریمکا نہیں ہے بلکہ دیوی ہے، حالاں کہ فراق عورت کے دیوی روپ سے زیادہ اُنس محسوس نہیں کرتے۔ یہی وجہ ہے کہ اُن کی عورت یا ان کا محبوب دیوی کم خاکی زیادہ محسوس ہوتا ہے بلکہ اس روایتی محبوب کے بھی انیک روپ سامنے آنے لگتے ہیں جس میں ماں، بہن، بیٹی، بیوی، بہو کے بھی روپ ہیں۔ ظاہر ہے کہ گھر گرہستی اور ازدواجی زندگی کے ان کرداروں کو وہ غزل کے سانچے میں نہیں پیش کرسکتے تھے اس لیے کہ وہاں پہلے ہی سے روایتی محبوب بیٹھا ہوا تھا اور جو کسی طرح جگہ خالی کرنے کو تیار نہ تھا۔ اس تبدیلی کے لیے نہ معشوق تیار تھا اور نہ عاشق — اسی لیے فراق کو رباعیوں کا سہارا لینا پڑا۔ ان کی رباعیوں کے مجموعے کا نام ہے ''روپ''، یعنی عورت کا روپ اور انیک روپ۔ پہلے ان انیک روپوں کی ایک جھلک ان کی مختلف رباعیوں میں دیکھیے۔ پہلی رباعی میں محبوبہ کا عکس ہے:

ہر جلوے سے اک درسِ نمو لیتا ہوں
لبریز کئی جام و سبو لیتا ہوں
پڑتی ہے جب آنکھ تجھ پر اے جانِ بہار
سنگیت کی سرحدوں کو چھو لیتا ہوں

ایک اور رباعی میں محبوب کی یہ تصویر ملاحظہ کیجیے:

دوشیزۂ فضا میں لہلہایا ہوا روپ
آئینۂ صبح میں جھلکتا ہوا روپ
یہ نرم نکھار اور یہ سج دھج یہ سگندھ
اس میں ہے کنوارے پن کا ڈوبا ہوا روپ

اب ایک اور رباعی میں بیوی کی یہ تصویر دیکھیے:

تو ہاتھ کو جب ہاتھ میں لے لیتی ہے
دکھ درد زمانے کو مٹا دیتی ہے
سنسار کے تپتے ہوئے ویرانے میں
سکھ شانت کی گویا تو ہری کھیتی ہے

اب ایک ماں کے دو روپ، دو رباعیوں میں ملاحظہ کیجیے۔ ہندستانی نئی نویلی ماں کا لاڈ اور دُلار:

کس پیار سے دے رہی ہے میٹھی لوری
ہلتی ہے سڈول بانہہ گوری گوری
ماتھے پہ سہاگ، آنکھوں میں رس، ہاتھوں میں
بچے کے ہنڈولے کی چمکتی ڈوری

---

کس پیار سے ہوتی ہے خفا بچّے سے
کچھ تیوری چڑھائے ہوئے منہ پھیرے ہوئے
اس روٹھنے پر پریم کا سنسار نثار
کہتی ہے کہ جا تجھ سے نہیں بولیں گے

ایک بہن کی بھی تصویر ملاحظہ کیجیے:

رکشا بندھن کی صبح اس کی پُتلی
چھائی ہے گھٹا گگن پہ ہلکی ہلکی
بجلی کی طرح لپک رہے ہیں لچھّے
بھائی کے ہے باندھتی چمکتی راکھی

اوراب ایک بیٹی جو رخصت ہو رہی ہے:

آنکھوں میں سرشک جگمگاتا مکھڑا
وہ جشنِ رخصتی سہانا تڑکا
جھرمٹ میں سہیلیوں کے اٹھتے ہیں قدم
وہ گھر کی عورتوں کا بابل گانا

یہ سب کچھ، یعنی عورت کے اتنے اور انیک روپ فراق سے قبل اردو شاعری میں نہیں تھے۔ بہت پہلے حالی نے محبوب کی جگہ ماؤں، بہنوں، بیٹیوں کو آواز تو دی تھی۔ کچھ اور شاعروں نے بھی اس آواز سے آواز ملائی تھی لیکن وہاں نظریۂ شاعری یا مقصدِ شاعری کچھ اور تھا۔ لیکن یہاں فراق کا مقصد کچھ اور ہے۔ ہر چند کہ ان تصویروں اور رباعیوں کو پیش کرنے میں فراق کی محرومی اور مایوسی بھی کام کرتی دکھائی دیتی ہے۔ محرومی کی نفسیات عجب پیچیدہ ہوا کرتی ہے کبھی کبھی تو وہ خودکشی کے دروازے تک پہنچا دیتی ہے لیکن اکثر ایک سچے فنکار کے ہاتھوں میں پہنچ کر فن کے پیمانے میں ڈھل جاتی ہے۔ فراق کے یہاں کچھ ایسا ہی ہوا۔ گھریلو اور ازدواجی زندگی کی ناکامی اور رات کی تنہائی اور اکیلے پن نے ان کے دل و دماغ میں عورتوں، بیویوں اور بیٹیوں کے آدرش وادی روپ بھر دیے جسے وہ رباعی میں ڈھالتے گئے اس لیے کہ وہ جانتے تھے کہ غزل میں ان کی گنجائش نہ کے برابر تھی۔ اردو شاعری کے حق میں اچھی بات یہ ہوئی جو اضافے کی حیثیت رکھتی ہے کہ ہندو تہذیب کا ثقافتی منظر اور پس منظر اور گھریلو پن میں ڈوبا اپنا پن کم کم دیکھنے کو ملتا ہے۔ ایسی دل آواز تصویریں تو ہندی شاعری میں بھی کم دیکھنے کو ملتی ہیں۔ ہندی کے ممتاز ادیب و ناقد محمد مجیب نے اچھی بات لکھی ہے، وہ کہتے ہیں: ''یہ وہ تصویریں ہیں جو سنسکرت اور ہندی ادب میں نہیں ملتی ہیں۔ یقیناً فراق کی اپنی ہیں۔ وہ بیاہتا ہیں پر اس کا روپ کنوارا ہے''۔ اور فراق نے اپنی رباعیوں میں دوشیزہ کا روپ پیش کیا ہے۔ یہ دوشیزہ اردو شاعری کے محبوب کی طرح چلمن کی آڑ میں نہیں ہے۔ بام پر نہیں ہے اور نہ ہی چمنستان یا آبشار کے اردگرد — یہ گھر میں ہے۔ کمرے اور باروچی خانے ہیں اور ایک عام عورت ہے۔ جو چوکے میں ہے، دالان، آنگن میں ہے۔ کپڑے دھو رہی ہے یا کھانا پکا رہی ہے۔ یہ رباعی دیکھیے:

چوکے کی سہانی آنچ، مکھڑا روشن
ہے گھر کی لکشمی پکاتی بھوجن
دیتے ہیں کرچھلی کے چلنے کا پتہ
سیتا کی رسوئی کے کھنکتے برتن

غور کیجیے۔ چوکا، رسوئی، کرچھل، برتن کیا یہ سب فراق سے پہلے اردو شاعری میں تھے۔ نہیں، ہرگز نہیں۔ فراق نے ان رباعیوں میں گائے اور ناگن کو بھی ایک خاص زاویے سے پیش کیا ہے۔ دیکھیے:

ہودی پہ کھڑی کھلا رہی چارا
جوبن رس انکھڑیوں سے چھلکا چھلکا
کومل ہاتھوں سے ہے تھپکتی گردن
کس پیار سے گائے دیکھتی ہے مُکھڑا

فراق نے اپنی تخلیقی مہارت کے ذریعے ہندستان کی عورت کے جو انیک اور گھریلو روپ اپنی شاعری میں اور خاص طور پر رباعیوں میں پیش کیے ہیں وہ بے مثال ہیں۔ ان رباعیوں میں مہارانی، شہزادی نہیں ہیں ایک عام عورت ہی ہے لیکن فراق کی جمالیاتی حس نے ان عورتوں کو ہی شہزادی بنا دیا ہے۔ شاعری یوں تو جذباتی اور حسّیاتی عمل کا تخلیقی اشاریہ ہوا کرتی ہے لیکن اگر اس کے ساتھ تہذیب و ثقافت اور متوسط درجے کی معیشت و معاشرت تخلیق کا حصہ بن جائے تو از خود اس کا دائرہ بڑا ہو جاتا ہے کہ اس میں صرف فرد ہی نہیں ہے، عورت نہیں ہے، ایک زندگی ہے، تہذیبِ زندگی ہے اور تہذیبِ شاعری بھی۔ اس میں ہندستانی گھریلو زندگی کا بانکپن ہے جہاں پنگھٹ ہے۔ ایکھ کے کھیت ہیں۔ گوریاں ہیں، بیٹیاں بھی۔ کچھ لوگ ان رباعیوں میں ہندو فلسفہ بھی تلاش کر لیتے ہیں، ممکن ہے کہ اس میں ہو۔ کچھ لوگ یہ بھی کہتے ہیں کہ فراق عورت کے انیک روپ پیش کرتے ہیں لیکن اس پیش کش کی کوئی اساس یا بنیاد نہیں، یہ صرف خیالی تصویریں ہیں۔ ان امور پر بحث ہو سکتی ہے۔ ان عناصر کو تلاش بھی کیا جا سکتا ہے لیکن ان کو محض خیالی کہہ دینا مناسب نہیں۔ ان میں اگر ایک طرف دلکشی ہے تو دوسری طرف محرومی بھی۔ انھوں نے عورت کو صرف مادی و خارجی روپ میں نہیں پیش کیا بلکہ باطنی اور حقیقی روپ بھی دکھائی دیتے ہیں۔ شاعر کی دنیا عموماً رومانی اور وجدانی ہوتی ہے اسے اسی تناظر میں دیکھنا چاہیے، اس سے حساب کتاب کرنا مناسب نہیں۔ فراق کی رباعیوں یا مختلف عورتوں کا جنم کس راستے سے ہو کر آیا ہے یہ تحقیق کا حصہ تو ہو سکتا ہے لیکن تخلیق کا نہیں۔ یہ بات اپنی جگہ درست اور مستحکم ہے کہ ان رباعیوں کے ذریعے اردو شاعری میں عورتوں کے جتنے مختلف روپ آئے ہیں اور ان روپوں کے ذریعے ہندو تہذیب اور ہندستانی ثقافت کے جو جلوے پیش ہوئے ہیں وہ فراق سے پہلے نہیں تھے۔ یہ فراق کی دین ہے جسے فراموش نہیں کیا جا سکتا۔ ⊙⊙

---

**پروفیسر علی احمد فاطمی**
صدر شعبۂ اردو، الہ آباد یونی ورسٹی، الہ آباد، یوپی

# اختر مسلمی: فکر و فن - ایک مختصر جائزہ

**فضل الرحمن اصلاحی**

مشرقی یوپی کا خطّہ اعظم گڑھ اپنی گوناگوں خصوصیات کی بنا پر ممتاز حیثیت رکھتا ہے۔ شعر و شاعری میں بھی اس کی ایک شان ہے اور کیوں نہ ہو، اسی سرزمین نے علامہ شبلی نعمانی، علامہ اقبال سہیل، مرزا احسان بیگ اور کیفی اعظمی وغیرہ جیسے شعرا پیدا کیے۔ علامہ شبلی نعمانیؒ نے جن تلامذہ کی تربیت کی تھی ان میں علامہ اقبال سہیل نے اردو اور فارسی شاعری میں بڑی شہرت حاصل کی۔ انہی کے شاگردوں میں یحییٰ اعظمی اور اختر مسلمی مرحوم بھی اپنے استاد علامہ اقبال سہیل اور مرزا احسان بیگ کے بعد کے شعرا کی صف میں نمایاں نظر آتے ہیں۔ اسی بنا پر نذیر بنارسی مرحوم نے اختر مسلمی کے بارے میں لکھا کہ ''جناب اختر مسلمی صاحب واقعی مستند شاعر ہیں۔ ان کا شمار ملک کے اساتذہ میں ہوتا ہے''۔ راقم السطور مدرسۃ الاصلاح سرائے میر اعظم گڑھ جیسی معیاری درسگاہ میں جن اساتذۂ کرام سے کسبِ فیض حاصل کیا، ان میں مولانا ایوب اصلاحی، مولانا انیس احمد اصلاحی اور مولانا سرفراز احمد ندوی مدنی وغیرہ سے کافی متاثر رہا۔ انہی اساتذہ سے کچھ نہ کچھ شعر و ادب کے باب میں ہم جیسے طلبہ کے اندر دل چسپی بھی پیدا ہوئی۔

ایک مصدقہ روایت یہ ہے کہ اختر مسلمی نے ''مدرسۃ الاصلاح'' کا جب ترانہ لکھا اور ایک پروگرام کے دوران اسے اپنی مترنم آواز میں پیش کیا تو مولانا ابوالحسن علی ندویؒ جیسے مشہور عالم و ادیب بے حد متاثر ہوئے۔ مولانا ندویؒ اختر مسلمی سے مخاطب ہوتے ہوئے گویا ہوئے ''اختر صاحب کیا ایسا ہی ترانہ دارالعلوم ندوۃ العلما لکھنؤ کا آپ نہیں لکھ سکتے؟ اختر مسلمی مرحوم نے برجستہ عرض کیا ''مولانا لکھ تو سکتا ہوں مگر وہ دل کہاں سے لاؤں گا جو مدرسۃ الاصلاح کے لیے خاص ہو گیا ہے''۔ ان کا اشارہ اپنی مادرِ علمی مدرسۃ الاصلاح سے قلبی لگاؤ اور میلان کی طرف تھا۔ مدرسۃ الاصلاح کے ترانہ کے علاوہ مولانا سرفراز احمد ندوی صاحب سے ''سبع المعلقات'' کے درس کے دوران عربی اشعار کی اچھوتی تعبیرات کے مقابلے میں مولانا موصوف جب اردو کے کثرت سے اشعار پیش کرتے تھے تو ان میں اختر مسلمی کے بہت سے اشعار ہوتے تھے۔ راقم باقاعدہ انہی کے درس سے اختر مسلمی سے متعارف ہوا اور اس کے بعد ان کے شعری مجموعے ''موجِ نسیم اور موجِ صبا'' کے مطالعے کا موقع ملا تو بہت سے ان کے اشعار نوکِ زبان ہو گئے۔ اس جملۂ معترضہ کو پیش کرنے کا مقصد راقم کا ان سے حد درجہ متاثر ہونے کی روایت کے سلسلے کو محض بیان کرنا ہے۔ اس تمہید کے بعد اب مرحوم کے فکر و فن کا ایک مختصر جائزہ پیش کیا جا رہا ہے۔

جناب سید حامد صاحب مرحوم، سابق وائس چانسلر علی گڑھ مسلم یونیورسٹی اپنے تاثرات اس انداز میں پیش کرتے ہیں:

''ایک مرتبہ مدرسۃ الاصلاح سرائے میر اعظم گڑھ پر حاضر ہوا تو وہاں کے اربابِ ذوق نے ایک شعری نشست کا پروگرام رکھا۔ جس میں میری پہلی ملاقات اختر مسلمی سے ہوئی اور انہی کی زبانی ان کا لکھا اصلاح کا ترانہ سنا تو اسی وقت ان کی عظمت کا اعتراف ہو گیا اور ان سے ان کی بہت سی غزلیں سننے کا اتفاق ہوا اور یہ سوچنے پر مجبور ہو گیا کہ اس چھوٹے سے قصبے میں اتنا عظیم شاعر موجود ہے۔''

(کلیاتِ اختر مسلمی، ص29)

اسی طرح اختر مسلمی مرحوم کے بارے میں جناب رئیس الشاکری رقم طراز ہیں:

''اختر مسلمی اور سرائے میر اس طرح ایک دوسرے کے ساتھ ہیں جیسے اعظم گڑھ کے ساتھ دارالمصنفین ، اور

دارالمصنّفین کے عظیم پیکر میں بلند قامت شبلیؒ اور بلند اقبال سید سلیمانؒ، کہ ایک دوسرے کے بغیر کسی کا بھی تصور ممکن نہیں۔ سرائے میر کا نام لیجیے اور اختر مسلمی کی یاد نہ آئے کیسے ہوسکتا ہے، سرائے میر کی ادبی تاریخ جب بھی مرتب ہوگی اقبال سہیلؒ کے اس چہیتے شاگرد یعنی اقلیمِ تغزل کے شاہزادے اختر مسلمی کو نظرانداز نہ کرسکے گی''۔

(ایضاً ص34-33)

مولانا ضیاء الدین اصلاحی مرحوم، سابق ناظم شبلی اکیڈمی نے ان کی فنّی مہارت کا اعتراف یوں کیا ہے:

''اختر مسلمی مرحوم غزل کے اداشناس اور اس کی خوبیوں اور نزاکتوں سے واقف، دولتِ درد سے مالا مال اور عشق کے انعامات اور بخششوں سے پوری طرح متمع تھے۔ اس لیے ان کا دل کیف ونشاط سے معمور اور جوش ومستی سے سرشار رہتا تھا، نزولِ مصائب پر آہ وفریاد کے بجائے ان کے ہر بن مو سے صدائے مرحبا بلند ہوتی تھی، ان کے چند اشعار سے اس کی تصدیق ہوتی ہے:

درد دل، زخم جگر، سوزِ نہاں اشکِ رواں
حضرت عشق نے بخشا ہے یہ انعام مجھے
خواہش کچھ اسی کو ہے ترے رحم وکرم کی
لذت نہ ملی ہو جسے بے درد وستم کی
مجھ کو منظور نہیں عشق کو رسوا کرنا
ہے جگر چاک مگر لب پہ ہنسی ہے اے دوست''

(ایضاً ص22-21)

مولانا ضیاء الدین اصلاحی اختر مسلمی کی شاعرانہ عظمت کے متعلق مزید رقم طراز ہیں:

''ظاہر بینوں کو چاہے اس پر حیرت وتعجب ہو مگر یہ واقعہ ہے کہ عشقِ فضائل ومکارم کا معلم وداعی ہے۔ اختر صاحب کو مکتبِ عشق سے غیرت وخودداری کا سبق ملا ہے۔ وہ گدایانہ عجز و ابتذال کو انسانی عظمت کے منافی اور آستانِ عزیز پر ناصیہ فرسائی کو اپنی توہین سمجھتے تھے:

میں اور کروں سجدۂ اغیار ارے توبہ
پیشانی فرشتوں نے مرے سامنے خم کی
آستانِ دوست کے سجدوں پہ ہے نازِ عروج
کب کسی کے سامنے جھکتی ہے پیشانی مری''

(ایضاً ص23)

''غبارِ رہ گزر'' جیسے صاحب دیوانِ شاعر ڈاکٹر ناطق اعظمی مرحوم کی شہادت اختر مسلمی کی شاعری پر ناطق ہے:

''اختر صاحب مزاج دانِ غزل ہیں، تغزل کی روح کے محرم ہیں، ان کے تئیں غزل ایک خاص اندازِ بیاں کا نام ہے۔ وہ صرف لب ورخسار، گل وبلبل، قد وگیسو کی بات نہیں کرتے بلکہ زندگی کے تلخ اور ٹھوس حقائق کو بھی غزل میں سمونے کی کامیاب کوشش کرتے ہیں... ان کا پورا مجموعۂ کلام شاہد ہے کہ انھوں نے اس کا پورا احترام کیا ہے، جو محسوس کیا ہے اسے خلوص کے ساتھ لفظوں کا پیکر عطا کردیا ہے۔ جو مشاہدہ کیا ہے، اسے دیانت داری کے ساتھ شعر کے قالب میں ڈھال دیا ہے''۔ (ایضاً ص42-41)

مذکورہ بالا چند اقتباسات جوان کے ممتاز ہم عصروں نے ان کی شاعری کے متعلق پیش کیے، وہ اس پر شاہد ہیں کہ اختر مسلمی کی شاعری روایتی سے ہٹ کر بامقصد تھی۔ وہ حقیقت میں ان شعرا کی صف میں داخل ہیں جن کے نزدیک سچی شاعری وہی ہے جو دل پر گزرے اسے سلیقے سے پیش کردیا جائے۔ بقول ماہر القادری مرحوم اصل شاعری وارداتِ قلب کا نام ہے۔ اسی طرح رشید احمد صدیقی نے غزل کو شاعری کی آبرو قرار دیا تھا۔ اختر صاحب کی شاعری بھی انہی اوصاف سے مزیّن معلوم ہوتی ہے۔ اب چند اشعار بطورِ نمونہ ہدیۂ قارئین ہیں:

ساری دنیا جو خفا ہے تو خفا رہنے دو
میرے ہونٹوں پہ مگر حق کی صدا رہنے دو
دوستوں مجھ کو پرستارِ خدا رہنے دو
اہلِ بت خانہ خفا ہیں تو خفا رہنے دو
مصلحت کیا ہے مصائب میں مشیت جانے
بندگی کا تو تقاضا ہے کہ رحمت جانے
میں گلہ اگر کروں گا اسے ناروا کہو گے
جو ستم سے مرگیا تو مجھے بے وفا کہو گے
چند لمحوں کی مسرت پہ نہ اترا اے دوست
وقت ہے وقت یہ میرا ہے نہ تیرا ہوگا
زندگی کیا ہے گناہِ آدم
آدمی ہوں تو گنہ گار ہوں میں!
اختر زباں سے بھی نہ کرو اس سے عرضِ حال
چہرے سے جو سمجھ نہ سکے دل کی کیفیات
چہرے کی ہر شکن میں ہے تحریر شرحِ غم
کیا پوچھتے ہو حال مرا دیکھتے نہیں
آستانِ دوست کے سجدوں پہ ہے نازِ عروج
کب کسی کے سامنے جھکتی ہے پیشانی مری

اختر مسلمی کے مندرجہ ذیل اشعار حالاتِ حاضرہ کے ترجمان معلوم ہوتے ہیں:

کسی پہ گل کی بارش کسی کو خار وخس ملے
یہ باغباں کا ظرف ہے چمن چمن کی بات ہے
کون رہتا ہے مکانوں میں مکینوں کی طرح
آدمی شہر میں چلتے ہیں مشینوں کی طرح
ہے اخوّت کا اثر جن کے دلوں سے مفقود
ان درندہ صفت انسانوں کو انساں کردیں
اختر اس انقلاب کی اڑ جائیں دھجیاں
دشواریِ عوام جو آساں نہ کر سکے

ایسا لگتا ہے کہ یہ اشعار آج کے حالات سے متاثر ہوکر کہے گئے ہیں اور اس آئینے میں سماج اپنا چہرہ دیکھ سکتا ہے۔ کلام کی یہی خوبیاں ایک شاعر کو زندۂ جاوید بناتی ہیں۔ مولانا عبدالرحمٰن پرواز اصلاحیؒ نے عبدالرحمٰن محسن انصاری کی شاعری پر ریویو کرتے ہوئے لکھا تھا کہ:

''...(وہ) شاعر بھی ہیں اور شاعری کے جوہری بھی... ان کی شرافت، اخلاص، ایثار وبلند نظری، انسانی ہمدردی اور مومنانہ اوصاف سے متاثر رہا۔ محسن صاحب کے خیالات بھی پاکیزہ ہیں، اظہارِ خیال کا انداز بھی دلکش'' (پیش رفت، فروری 2015)۔ ٹھیک یہی اوصاف عبیداللہ اختر مسلمی کے فکر وفن میں جھلکتے ہوئے محسوس ہوتے ہیں۔ چناں چہ جناب اختر مسلمی کی شاعری پر طائرانہ نگاہ ڈالنے سے یہی حقیقت ابھر کر سامنے آتی ہے کہ وہ قدرت کی فیاضیوں سے وافر مقدار میں بہرہ مند ہوئے ہیں۔ اس ضمن میں ایک بات قابلِ توجہ معلوم ہوتی ہے کہ کلیات اختر مسلمی کے تینوں مجموعے 'موجِ نسیم'، 'موجِ صبا' اور 'جامِ سنداں' عناوین سے خالی ہیں۔ آئندہ اڈیشن جب بھی شائع ہو تو اسے جدید انداز میں شائع کیا جائے تاکہ اس کی معنویت اور افادیت میں اور اضافہ ہو۔ ان کے بعض اشعار محلِ نظر معلوم ہوتے ہیں جن کا ایک نقاد ہی صحیح جائزہ لے سکتا ہے، البتہ بطورِ طالبِ علمانہ استدراک کے ایک شعر پیش کیا جاتا ہے: مثلاً

تخلیقِ دوعالم ہے بہ فیضانِ محمدؐ
دنیا کی ہر ایک شے پہ ہے احسانِ محمدؐ

(کلیات اختر مسلمی، نعت: ص۸۹)

ہوسکتا ہے کہ وہ اپنے استاذ علامہ اقبال سہیل کی ''موجِ کوثر'' سے متاثر ہوکر یہ نعت لکھی ہو، چناں چہ ان کے یہاں بھی یہی فکر پائی جاتی ہے۔ مثلاً: خلقت جس کی سب پہ مقدم صلی اللہ علیہ وسلم... (کلیات اقبال سہیل ص41)

کلیاتِ اختر مسلمی میں بعض مدارس کے ترانے، شادی کے سہرے اور مختلف قطعات بھی شامل ہیں۔ مجموعی اعتبار سے کلیاتِ اختر مسلمی لائقِ مطالعہ ہے اور ادب میں ایک قابلِ قدر اضافہ۔ ڈاکٹر شفیق اعظمی اختر مسلمی کی شاعری پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''...آپ خالص غزل کے شاعر تھے، عمر بھر غزل کی زلفیں سنوارتے رہے، تغزل ان کے اشعار کی جان ہے، موضوع کوئی ہو غزل کے فن کو کبھی مجروح نہیں ہونے دیتے۔ آپ اچھا پڑھتے بھی تھے، مشاعروں کی جان تصور کیے جاتے تھے بلکہ یہ کہا جائے کہ آپ کی شرکت مشاعروں کی کامیابی کی ضمانت ہوا کرتی تھی، تو کچھ بے جا نہ ہوگا۔ آپ نے مدرسۃ الاصلاح کا ترانہ بھی لکھا ہے جو بہت ہی شاندار ہے، اتنا شاندار کہ صرف یہی ترانہ ان کو زندہ رکھنے کے لیے کافی ہے۔ اس کے چند بند ملاحظہ ہو:

یہ ہمارا چمن ہے ہمارا چمن
رحمتِ ایزدی اس پہ سایہ فگن
نور شمع یقیں زینتِ انجمن
بوئے ایماں پھیلی چمن در چمن
یہ ہمارا چمن ہے ہمارا چمن
گود میں اس کی پلتے ہیں علم و ہنر
ہر طرف ضوفشاں اس کے شمس وقمر
اس کی مٹی سے اُگتے ہیں لعل وگہر
اس کے ذرّے ہیں صد رشک درِّ عدن
یہ ہمارا چمن ہے ہمارا چمن''

(ماہنامہ بزم سہارا، دہلی، ستمبر 2011، ص19)

اختر مسلمی کی بعض غزلیں 'معارف' جیسے ادبی اور علمی رسالے کی زینت بنیں۔ اکتوبر 1960 میں ان کی ایک غزل 'معارف' میں شائع ہوئی ہے۔ یہ ان کے مستند شعرا کی صف میں شامل ہونے کی ایک بیّن دلیل ہے۔

---

**فضل الرحمن اصلاحی**
اسکالر، شبلی اکیڈمی، اعظم گڑھ، یوپی
E-mail: fislahi@rediffmail.com

اسٹینڈرڈ انگلش اردو ڈکشنری
مولوی عبدالحق
قیمت: ۵۰۰/روپے

اردو ہندی ڈکشنری
انجمن ترقی اردو (ہند)
قیمت: ۳۰۰/روپے

# اردو دُنیا

## امبیڈکر اوپن یونیورسٹی کے اردو میڈیم ڈگری کورس کی تیاری کا آغاز

حیدرآباد (26 جولائی)۔ ڈاکٹر امبیڈکر اوپن یونیورسٹی میں اردو گریجویشن کورس کے نصابی کتب کی تیاری کا کام شروع ہوچکا ہے۔ سکریٹری اقلیتی بہبود سیّد عمر جلیل نے یونیورسٹی عہدیداروں کے ہمراہ مولانا آزاد نیشنل اردو یونیورسٹی کے رجسٹرار ڈاکٹر شکیل احمد سے ملاقات کی اور نصابی کتب کا انگریزی نسخہ حوالے کیا۔ اردو یونیورسٹی ان کا اردو میں ترجمہ کرے گی تاکہ امبیڈکر یونیورسٹی میں اردو گریجویشن کورس جاری رہ سکیں۔ بتایا جاتا ہے کہ اردو یونیورسٹی میں ترجمے کے کام کے لیے ایک علاحدہ کمیٹی تشکیل دی گئی ہے جس میں مختلف مضامین کے ماہرین کو شامل کیا گیا ہے۔ یہ کمیٹی جلد از جلد نصابی کتب کا ترجمہ مکمل کرلے گی اور اسے امبیڈکر یونیورسٹی کے حوالے کیا جائے گا۔ سکریٹری اقلیتی بہبود نے کہا کہ ضرورت پڑنے پر اردو اکیڈمی کی خدمات حاصل کی جائیں گی۔ اردو یونیورسٹی سے کہا گیا ہے کہ وہ کم سے کم پہلے سمسٹر کے نصاب کا ترجمہ مکمل کرلیں تاکہ کورس کے آغاز میں کوئی رکاوٹ نہ ہو، باقی مرحلوں کا کام یونیورسٹی اور اردو اکیڈمی مشترکہ طور پر انجام دے سکتے ہیں۔ واضح رہے کہ امبیڈکر یونیورسٹی نے جاریہ سال اردو میں نصابی کتب کی عدمِ تیاری کا بہانہ بناتے ہوئے اردو گریجویشن کورس کو مسدود کردیا تھا۔ کورس کی بحالی کے سلسلے میں روزنامہ 'سیاست' نے نہ صرف مہم چلائی بلکہ حکومت کی توجہ بھی مبذول کرائی۔ ڈپٹی چیف منسٹر محمد محمود علی اور قائد اپوزیشن محمد علی شبیر نے خصوصی دل چسپی دکھاتے ہوئے امبیڈکر یونیورسٹی حکام کو کورس کی مسدودی کے فیصلے سے روک دیا۔ حکومت نے اردو ترجمہ فراہم کرنے کی پیشکش کرتے ہوئے تمام رکاوٹوں کو دور کردیا ہے اور اپنے وعدے کے مطابق ترجمے کا کام اردو یونیورسٹی کے ذمّے کیا گیا ہے۔ امبیڈکر یونیورسٹی کے حکام سے مطالبہ کیا گیا کہ وہ ویب سائٹ پر اردو آپشن کو بحال کردیں۔ فی الوقت صرف انگلش اور تلگو میڈیم کے آپشن دکھائی دے رہے ہیں۔ وہ طلبہ جنھوں نے گریجویشن کورس میں داخلے کے لیے کوالیفائنگ امتحان میں حصہ لیا تھا، اُنھوں نے کورس کی بحالی پر اطمینان کا اظہار کیا ہے۔ (سیاست۔حیدرآباد)

## شیوپوری کے پرائمری اسکول میں دس برس سے اردو ٹیچر نہیں

نئی دہلی (یکم اگست)۔ خوریجی شیوپوری کے پرائمری اسکول میں گزشتہ دس برس سے اردو ٹیچر نہیں ہے۔ اسکول میں کل طلبہ کی تعداد 450 ہے جس میں سے 255 بچے اردو پڑھنے والے ہیں۔ الفلاح ایجوکیشنل سوسائٹی (رجسٹرڈ) کے جنرل سکریٹری قاری یاسین نے بتایا کہ سابق کونسلر عشرت جہاں کو اس بارے میں کئی بار کہا گیا لیکن انھوں نے کوئی توجہ نہیں دی۔ سابقہ شیلا دکشت سرکار نے ایک بھی اردو ٹیچر کا تقرر نہیں کیا اور اسی راہ پر کجریوال سرکار چل رہی ہے۔ ابھی تک کجریوال سرکار نے اردو کے بارے میں اپنا موقف واضح نہیں کیا ہے جب کہ اردو زبان کو دہلی میں دوسری سرکاری زبان کا درجہ حاصل ہے۔ انھوں نے دہلی سرکار کو انتباہ دیتے ہوئے کہا کہ جن اسکولوں میں اردو پڑھنے والے بچے موجود ہیں ان اسکولوں میں اردو اساتذہ کا جلد سے جلد تقرر کیا جائے ورنہ ہم جمہوری طریقہ اختیار کرتے ہوئے دہلی سرکار کے خلاف احتجاج کے لیے مجبور ہوں گے۔ (راشٹریہ سہارا۔دہلی)

## کرناٹک میں ہندی زبان کو زبردستی مسلط کرنے کے خلاف احتجاج

رائچور، کرناٹک (29 جولائی)۔ ریاست میں کنڑ زبان پر ہندی کا ظلم یعنی زبردستی مسلط کرنے کے خلاف کرناٹک رکشنا ویدیکے وشیورام گوڈا گروپ کے ضلعی صدر اشوک جین کی قیادت میں ضلع ڈپٹی کمشنر دفتر کے روبرو احتجاجی دھرنا دیا گیا اور ضلع ڈپٹی کمشنر کے توسط سے وزیرِ اعلیٰ کو یادداشت روانہ کرتے ہوئے ہندی کو زبردستی مسلط کرنے پر روک لگانے کا مطالبہ کیا گیا۔ یادداشت میں بتایا گیا ہے کہ ملک ہمہ اقسام مذاہب، زبان اور تہذیبوں کا گہوارہ ہے کسی کو کسی پر زبردستی مسلط نہیں کیا جاسکتا ہے۔ یہ جمہوری اقدار کے مخالف ہے۔ اسی طرح کسی زبان پر دوسری زبان کو مسلط کرنا بھی غلط ہے۔ ہندستانی آئین نے علاقائی زبان کو اس کے علاقے میں نافذ کرنے کا اختیار دیا ہے۔ ریاست میں موجود مرکزی حکومت کے محکموں جیسے پوسٹ آفس، بینک، دور درشن، سنٹرل کمرشیل ٹیکس دفتر و دیگر میں کنڑا کا چلن نہیں ہوتا ہے، یہاں کنڑا میں بات کرنے والوں کے ساتھ توہین آمیز سلوک کیا جاتا ہے۔ بنگلور کے میٹرو ریل میں زبردستی ہندی کی تحریر آویزاں کی گئی، کنڑا کو نظر انداز کیا گیا جو قابلِ مذمت ہے اور رائچور میں موجود سنٹر سدرن پاور گریڈ کی تختی میں صرف ہندی و انگریزی آویزاں ہے، کنڑا کو بالکل نظر انداز کیا گیا ہے۔ اس طرح کئی مقامات پر کنڑا سے ناانصافی کی جارہی ہے اس کا ازالہ ضروری ہے نیز کنڑا نواز تنظیموں کے ذمے داران کے خلاف عائد تمام مقدمات واپس لینے کی مانگ کی گئی۔ اس موقعے پر کے. کشن راؤ، آنند سوامی، ملا، آصف، حاجی مستان، بسوراج نائک، نیمتو کمار اور رائپا نائک و دیگر موجود تھے۔

(سالار۔بنگلور)

## محکمۂ پولیس کے امتحانات میں اردو نظر انداز

حیدرآباد (25 جولائی)۔ محکمۂ پولیس کے ترقیاتی امتحانات میں اردو زبان کو شامل نہ کیے جانے کی شکایت کے بعد تحریری امتحان میں اردو زبان شامل کردی گئی تھی لیکن اب جب کہ تحریری امتحان کامیاب کرکے عملی تربیت حاصل کرنے کے بعد سب انسپکٹر کے عہدے پر ترقی کے لیے امتحان دینے والے عہدیدار و ملازمین پولیس تیاریاں مکمل کرچکے ہیں، اُنھیں ایک مرتبہ پھر اپنی مادری زبان میں امتحان دینے سے محروم کیا جارہا ہے۔ کریم نگر میں تربیت حاصل کررہے عہدیداروں نے بتایا کہ انھیں 27 جولائی سے شروع ہونے والے تحریری امتحانات کے متعلق آج مطلع کیا گیا کہ یہ امتحان اردو زبان میں منعقد نہیں کیے جائیں گے جب کہ تقریباً 350 امیدواروں میں 50 امیدوار ایسے ہیں جو اردو زبان سے تعلق رکھتے ہیں۔ حکومتِ تلنگانہ کی جانب سے ریاست میں اردو کو دوسری سرکاری زبان کا موقف دیے جانے کے باوجود محکمۂ پولیس کے اعلیٰ عہدیداروں کے فیصلوں سے ایسا محسوس ہوتا ہے کہ سرکاری مشنری اردو زبان کو عملی طور پر ختم کرنے کی سازش کررہی ہے۔ چند ماہ قبل ترقیاتی امتحانات کے موقعے پر بھی اعلیٰ عہدیداروں سے نمائندگی کرنی پڑی تھی اور انھیں اس جانب متوجہ کیا گیا تھا جس کے بعد اردو زبان میں امتحان تحریر کرنے کی اجازت دی گئی۔ تفصیلات کے بموجب سب انسپکٹر کے عہدے پر ترقی کے لیے عملی تربیت کے بعد جو امتحان منعقد کیے جاتے ہیں وہ جملہ 9 مضامین میں ہوتے ہیں۔ تربیت حاصل کرنے والے اردوداں عہدیداروں و پولیس ملازمین کا کہنا ہے کہ انگریزی یا تلگو زبان میں ان امتحانات کے جوابی بیاض تحریر کرنا ان کے لیے مشکل ہے اسی لیے فوری طور پر اقدام کرتے ہوئے اردو زبان میں امتحانات کے انعقاد کے احکام جاری کیے جانے چاہیے۔

(سیاست۔حیدرآباد)

## ممتا بنرجی نے منشی پریم چند کو اُن کے 137ویں یومِ پیدائش پر خراجِ عقیدت پیش کیا

کولکاتا (31 جولائی)۔ مغربی بنگال کی وزیرِ اعلیٰ ممتا بنرجی نے آج عظیم مصنف اور ناول نگار منشی پریم چند کی یومِ پیدائش پر انھیں خراجِ عقیدت پیش کیا ہے۔ وزیرِ اعلیٰ نے ٹوئیٹ کرتے ہوئے لکھا ہے کہ عظیم مصنف پریم چند کے 137ویں یومِ پیدائش پر ہم انھیں خراجِ عقیدت پیش کرتے ہیں۔ منشی پریم چند کا شمار ہندستان کے عظیم مصنّفین میں ہوتا ہے، ان کی پیدائش 31 جولائی 1880 کو اتر پردیش کے لمہی گاؤں میں ہوئی تھی۔ 13 سال کی عمر سے ہی منشی پریم چند نے لکھنا شروع کردیا تھا۔ ان کا اصلی نام دھن پت رائے شریواستو ہے۔ انھوں نے شروع میں نواب رائے کے نام سے لکھنا شروع کیا اور بعد میں وہ منشی پریم چند کے نام سے لکھنے لگے۔ انھوں نے ایک درجن سے زائد ناول اور 250 سے زائد مختصر کہانیاں لکھی ہیں جن کا دنیا کی کئی زبانوں میں ترجمہ ہوچکا ہے۔ ان کی مشہور تخلیقات میں گئودان، شطرنج کے کھلاڑی، کرم بھومی جیسی مشہور کتابیں شامل ہیں جس کی پذیرائی عالمی سطح پر کی گئی ہے۔

(آگ۔لکھنؤ)

## بہار اردو اکادمی کا دوروزہ صحافتی ورکشاپ کامیابی سے اختتام پذیر

### اخباری نمائندوں کی عملی تربیت وتقسیمِ اسناد

پٹنہ (پریس ریلیز، 23 جولائی)۔ صحافت جمہوریت کا چوتھا ستون ہے۔ آج کے عہد میں خاص طور سے ہمیں قلم کی قوت کو سمجھنے اور اپنے اندر خوداعتمادی لانے کی ضرورت ہے۔ ہمارا قلم ہمارے ہاتھوں میں امانت ہے اور ہماری ذمہ داری یہ ہے کہ ہم جب بھی لکھیں سماجی مفادات کے لیے ہی لکھیں۔ صلاحیتیں باہر سے نہیں ڈالی جاسکتیں یہ تو اندر سے نکلتی ہیں اور ہمارے پروگرام کا مقصد یہی ہے کہ آپ کی صلاحیتیں صیقل ہوتی رہیں۔ ان خیالات کا اظہار کرتے ہوئے سکریٹری بہار اردو اکادمی مشتاق احمد نوری نے کہا کہ اردو اخبارات میں سہولتوں کی کمی ضرور ہے، لیکن اعلیٰ صلاحیتوں والے کارکنوں کی کمی نہیں۔ جناب نوری 23 جولائی کو اکادمی کے سیمینار ہال میں منعقدہ صحافتی ورکشاپ کے دوسرے دن کے پروگرام میں افتتاحی تقریر کررہے تھے۔ انھوں نے صحافت میں اخلاقیات کی قوت و ضرورت، عصری مقصدیت کے فوائد، شخصیت شناسی کے فلسفے، خبر سازی، فیچر نگاری، خبروں میں زبان کی صحت پر توجہ، اسلوب کے حسن اور سرخیاں لگانے کے فن وغیرہ کے تعلق سے بعض اہم تجربات ونکات بتائے اور نظامت کی ذمے داریاں انجام دیتے ہوئے صحافت کے بارے میں کئی دیگر پہلوؤں کی طرف بھی اشارے کیے۔

اس موقعے پر جناب احمد رضا ہاشمی نے اردو صحافت کے فروغ پر اظہارِ خیال کرتے ہوئے کہا کہ صحافت کا فروغ اصلاً صحافیوں کے فروغ پر منحصر ہے اور اس کے لیے مینجمنٹ کا شکوہ فضول ہی نہیں نقصان دہ بھی ہے۔ جناب ہاشمی نے کہا کہ ہم صحافیوں کو سب سے پہلے یہ غور کرنے اور سمجھنے کی ضرورت ہے کہ ہم نے اس میدان میں کیوں قدم رکھا ہے اور ہمارے اصل اہداف کیا ہیں۔ اس دور میں اردو صحافت، دوسری زبانوں کی صحافت سے یقیناً پیچھے ہوتی جارہی ہے۔ اس کے مختلف وجوہ میں منصوبہ بندی، ویژن، سماجی سروکار، تربیت ومعلومات اور خوداعتمادی کی کمی شامل ہے۔ اگر ہم اپنے قارئین کی ضرورت اور اپنی مقصدی ذمہ داری کو سمجھیں، اپنا محاسبہ کرتے رہیں، لکھنے سے پہلے سوچنے اور صحافتی کلینڈر بنا کر کام کرنے کی عادت رکھیں تو اس سے بہت سارے فائدے یقینی ہیں۔ عوامی مسائل پر توجہ، سماجی مسائل کی ترجیح، معمر افراد اور خواتین کے مسائل پر نظر اور کسی شخصی فائدے کے لیے خبر کو جگہ دینے سے پرہیز ضروری ہے۔ اگر پریس نوٹ کی ایڈیٹنگ اور اہمیت سمجھی جائے، کارکن صحافی بریکنگ نیوز کا اہتمام رکھیں، لائیو رپورٹنگ اور خبروں کے انتخاب .....(بقیہ صفحہ 7 پر)

# آئندہ سال سے نیٹ امتحان اردو میں بھی

## مرکزی حکومت نے سپریم کورٹ کو دلایا بھروسہ

نئی دہلی (8 اگست)۔مرکزی سرکار نے سپریم کورٹ سے کہا ہے کہ 2018-19 کا نیٹ امتحان اردو زبان میں منعقد کرنے میں اسے کوئی گریز نہیں ہے۔ میڈیکل گریجویٹ کے لیے داخلۂ امتحان نیٹ دیگر زبانوں کے ساتھ ساتھ اردو میں بھی منعقد کیا جاسکتا ہے۔جسٹس دیپک مشرا اور اے ایم خانولکر کی ڈویژن بنچ نے اس تعلق سے مرکز کی طرف سے سالیسٹر جنرل رنجیت کمار کے اس بیان کو درج کیا کہ وہ اردو میڈیم میں بھی 2018 سے نیٹ امتحان کرانے کے خلاف نہیں ہیں۔عدالت نے عرضی کا نپٹارہ کرتے ہوئے کہا کہ اس تعلیمی سیشن کے امتحان ہو چکے ہیں، ہم پیچھے نہیں لوٹ سکتے ہیں۔سالیسٹر جنرل نے 31 مارچ کو سپریم کورٹ سے کہا تھا کہ طلبہ کی تنظیم اسٹوڈنٹ اسلامک آرگنائزیشن آف انڈیا نے نیٹ امتحان اردو زبان میں بھی کرانے کی مانگ کرتے ہوئے مرکزی سرکار پر فرقہ پرست ہونے کا الزام لگایا تھا۔اس وقت نیٹ کا امتحان 10 زبانوں میں منعقد کیا جارہا ہے۔ (راشٹریہ سہارا۔دہلی)

# مولانا آزاد رہائشی سرکاری اردو اسکول کا آغاز کرنے اور اردو اسکولوں میں کنڑا ٹیچرس کی تقرری کا مطالبہ

بیدر، کرناٹک (26 جولائی)۔مولانا آزاد انگلش رہائشی سرکاری اسکول کے طرز پر مولانا آزاد رہائشی سرکاری اردو اسکول کے آغاز کا مطالبہ کرتے ہوئے سکریٹری یارانِ ادب بیدر نے آج ایک یادداشت ڈپٹی کمشنر بیدر کے توسط سے وزیر اعلیٰ کرناٹک سدرامیا کو روانہ کیا ہے۔ یادداشت میں اردو اسکولوں میں کنڑا مضمون کے لیے کنڑا ٹیچرس کے تقرر کا بھی مطالبہ کیا ہے اور کہا ہے کہ کنڑا ٹیچرس کے نہ ہونے سے دہم جماعت میں اردو طلبہ فیل ہو رہے ہیں اور اس طرح اردو طلبہ کا مستقبل تاریک ہو رہا ہے۔تفصیلات کے بموجب وزیرِ اعلیٰ کو روانہ کی گئی یادداشت میں وزیرِ اعلیٰ کی جانب سے کنڑا کے لیے اٹھائے جارہے اقدام کو سراہتے ہوئے کہا گیا ہے کہ کنڑ کی ترقی سے ریاست کرناٹک کی ترقی ممکن ہے۔دوسری جانب ریاست کرناٹک میں کنڑا کے علاوہ اردو، ہندی، تمل، مراٹھی، تلو اور تلگو زبانیں بھی بولی جاتی ہیں اور ان زبانوں کی حفاظت کی ذمے داری بھی وزیرِ اعلیٰ پر عائد ہوتی ہے۔کرناٹک میں اردو زبان بولنے والوں کی تعداد ماسوائے کنڑا دیگر زبانوں سے زائد ہے۔ اردو والے ہمیشہ سے مطالبہ کرتے آئے ہیں کہ اردو کو دوسری سرکاری زبان بنایا جائے اور یہ مطالبہ 40-30 سال سے کیا جارہا ہے جس کی طرف سابقہ کسی حکومت نے توجہ نہیں دی۔ اردو میڈیم سے تعلیم دینے والے سرکاری اردو اسکولوں کو ایک منصوبہ بند طریقے سے آہستہ آہستہ کسی نہ کسی بہانے سے بند کیا جارہا ہے۔ریاست کرناٹک میں مولانا آزاد انگلش رہائشی اسکول کا 100 کی تعداد میں آغاز دراصل اردو زبان کے خلاف سازش ہے۔کہا گیا تھا کہ جہاں اردو اسکول بند ہو چکے ہیں ان اسکولوں کو مولانا آزاد رہائشی انگلش اسکول میں ضم کرکے دوبارہ کھولا جائے گا اور ان اسکولوں میں اردو کا ایک مضمون ہوگا اور اس ایک مضمون کی وجہ سے اردو کو بچایا جاسکے گا۔ہم سمجھتے ہیں کہ زبانوں کی ترقی میڈیم سے ہوا کرتی ہے، صرف بطور مضمون پڑھانے سے نہیں۔ ہمارے ان مطالبات کو پورا کرتے ہوئے وزیرِ اعلیٰ اردو کے ساتھ انصاف کریں۔ یادداشت میں 7 مطالبات کیے گئے ہیں جن میں پہلا مطالبہ ہے کہ مولانا آزاد سرکاری رہائشی انگلش اسکول کا جہاں کہیں آغاز ہوا ہے اس بات کی تفتیش کی جائے کہ بند ہو چکے اردو اسکولوں کے مقام پر یہ اسکول کھولے گئے ہیں یا چل رہے اردو میڈیم سرکاری اسکولوں میں مولانا آزاد انگلش اسکولوں کا آغاز ہوا ہے۔اگر چل رہے اردو اسکولوں کے مقام پر مولانا آزاد انگریزی رہائشی اسکول قائم کیے گئے ہیں تو اس کی بنا پر چل رہے اردو اسکولوں کو بند کرنا پڑے گا۔ بیدر میں دو مقامات پر پہلے سے چلائے جارہے اردو اسکولوں میں مولانا آزاد سرکاری رہائشی انگلش اسکولوں کا آغاز ہوا ہے جو سراسر ظلم ہے اور اردو کے ساتھ ناانصافی ہے۔دوسرا لیکن اہم اور مرکزی مطالبہ یہ ہے کہ جہاں کہیں سرکاری اردو اسکول بند ہوئے ہیں اُن اسکولوں کو سرکاری اردو رہائشی اسکول میں تبدیل کرکے ان اردو اسکولوں کا دوبارہ آغاز کیا جائے۔ رہائشی اردو اسکول رہنے سے طلبہ کی تعداد میں فوری اور خاطر خواہ اضافہ ہوگا، جس سے اردو کی ترقی ہوگی۔ جب کہ پوری ریاست میں ایک بھی ''سرکاری اردو رہائشی اسکول'' نہیں ہے جو اردو کے ساتھ سوتیلا سلوک کے مترادف ہے۔ ابتدائی طور پر ریاست کے 200 مقامات پر سرکاری رہائشی اردو اسکول قائم کیے جائیں۔ دیگر مطالبات یہ ہیں کہ اردو اساتذہ کی خالی اسامیوں کو پُر کیا جائے۔ سرکاری اردو اسکولوں میں کنڑا ٹیچرس کی تقرری کو یقینی بنایا جائے۔ کنڑا ٹیچرس نہ ہونے سے اردو طلبہ دہم جماعت میں ناکام ہو رہے ہیں جس سے ان کا مستقبل تاریک ہو رہا ہے۔سرکاری انگریزی اسکولوں میں ''اردو'' کو بطور مضمون پڑھانا لازمی کیا جائے اور سرکاری کنڑا اسکولوں میں اردو کو اختیاری مضمون کی حیثیت سے پڑھانے کے احکام جاری کیے جائیں۔ اسی طرح ڈی ڈی پی آئی اور بی ای او کے دفاتر رشوت خوری کے اڈے بنے ہوئے ہیں ان پر لگام کسی جائے۔ آخری بات یہ ہے کہ اردو اسکولوں کے طلبہ کو اسکالرشپ نہ ملنے سے کئی طلبہ ترکِ تعلیم کر رہے ہیں خصوصاً پرائیویٹ اردو اسکولوں کے طلبہ کو اسکالرشپ دیے جائیں۔ (سالار۔بنگلور)

# چنور کے اردو میڈیم اسکول کو نویں جماعت تک توسیع کرنے کی یقین دہانی

کیرامیرا، تلنگانہ (یکم اگست)۔مستقر چنور میں واقع اردو میڈیم اسکول کو نویں جماعت تک توسیع کرنے کا رکنِ اسمبلی آصف آباد کوورا لکشمی نے تیقن دیا ہے۔تفصیلات کے بموجب رکنِ اسمبلی آصف آباد کورا لکشمی اور متحدہ ضلع عادل آباد کے ایم ایل سی پرانم ستیش کے آج مستقر چنور کے دورے کے موقعے پر اردو میڈیم اسکول چنور کے چیئرمین ایوب پٹھان اور طلبہ کے سرپرستوں کی جانب سے اس مدرسے کو نویں جماعت تک توسیع کرنے کے لیے ایک یادداشت پیش کی گئی تھی۔اس موقعے پر انھوں نے رکنِ اسمبلی اور ایم ایل سی پی ستیش کو اس مدرسے میں صرف آٹھویں جماعت تک ہی تعلیم دیے جانے پر مدرسے کے طلبہ کو ہونے والے تعلیمی نقصان سے متعلق آگاہ کیا جس پر رکنِ اسمبلی نے مثبت جواب دیتے ہوئے اس مدرسے میں بہت جلد نویں جماعت کا قیام عمل میں لانے کا یقین دلایا۔ (سیاست۔حیدرآباد)

# ٹی ای ٹی اردو-بنگلہ پاس امیدواروں کی میٹنگ میں کئی تجاویز پاس

اررریہ، بہار (29 جولائی)۔اردو بنگلہ ٹی ای ٹی پاس امیدواروں کی ایک میٹنگ کا انعقاد سر سیّد لائبریری ہال میں کیا گیا، جس میں متعدد تجاویز پر غور و خوض کرنے کے بعد تحریک چلانے کا فیصلہ کیا گیا۔آل بہار اردو-بنگلہ ٹی ای ٹی پاس امیدوار ایسوسی ایشن کے صدر معراج خان نے نامہ نگاروں کو بتایا کہ ضلع کے کئی اسکولوں میں کئی اساتذہ کی اسامیاں خالی ہیں مگر سیٹ ریزرویشن کی وجہ سے تقرری نہیں ہو پارہی ہے۔انھوں نے کہا کہ جو سیٹیں بچی ہوئی ہیں ان کو جنرل کرکے تقرری کی جائے ورنہ ریزرویشن کے مطابق امیدوار نہیں ملنے سے اردو کی پڑھائی متاثر ہوگی۔ معراج خان نے کہا کہ بہار میں 27 ہزار خالی جگہوں کے لیے تقرری کرنی تھی مگر صرف 16882 کی ہی تقرری ہوسکی۔ اب بھی 4000 امیدوار تقرری سے محروم ہیں۔دوسری جانب انھوں نے بتایا کہ رانی گنج کے پانچ پنچایتوں گنونتی، بونسی، بسیٹی، گھراری اور دھوبنیا میں تقرری کی کارروائی ملتوی کردی گئی تھی اس کے باوجود چار مہینے بعد پھر سے تقرری کردی گئی جب کہ ڈی او کے ذریعے اس پر روک لگادی گئی ہے۔ ہمارا مطالبہ ہے کہ جلد سے جلد خالی جگہوں پر تقرری کی کارروائی مکمل کی جائے اور رانی گنج میں ہوئی بدعنوانیوں کی جانچ ضلع ایجوکیشن افسر سے کرائی جائے۔ اگر ہمارے مطالبات جلد پورے نہیں ہوئے تو بڑے پیمانے پر تحریک چلائی جائے گی اور پورے بہار میں دھرنا و مظاہرہ کرنے کے لیے ہم لوگ مجبور ہوں گے۔ میٹنگ میں درجنوں ٹی ای ٹی پاس امیدوار موجود تھے۔

(راشٹریہ سہارا۔دہلی)

# رفتید ولے نہ از دلِ ما

نئی دہلی۔اردو ہندی کے معروف صحافی اور کالم نویس خورشید عالم کا سال بھر کی طویل علالت کے بعد 5 اگست 2017 کو دہلی اسٹیٹ کینسر انسٹی ٹیوٹ اسپتال میں انتقال ہوگیا۔ وہ 54 برس کے تھے۔ان کے پس ماندگان میں والد محمد شہاب الدین، ان کی اہلیہ، دو بیٹے، ایک بیٹی اور ایک بھائی اور دو بہنیں ہیں۔مرحوم کو بٹلہ ہاؤس قبرستان میں سپردِ خاک کیا گیا۔خورشید عالم نے اپنا صحافی سفر ماہنامہ 'افکارِ ملّی' سے تقریباً 25 سال قبل شروع کیا تھا۔ان کی صحافتی تربیت میں ڈاکٹر سیّد قاسم رسول الیاس (مدیر 'افکارِ ملّی') کا رول قابلِ ذکر ہے۔اس کے بعد 'چوتھی دنیا' (اردو) کے مدیر اے. یو. آصف نے فکری و فنی صحافت کو ان میں اجاگر کرنے میں خاصی دلچسپی لی۔ انھوں نے بعد میں روزنامہ 'قومی آواز' اور 'اخبارِ مشرق' میں کام کیا۔ انھیں اردو کے ساتھ ہندی میں بھی برابر مقبولیت حاصل ہوئی۔ ہندی میں ان کی صحافت 'دینک جاگرن' سے شروع ہوئی جس میں وہ اسلامی اور مسلم ایشوز پر آبجیکٹو انداز میں لکھنے کے لیے کافی مشہور ہوئے۔ وہ 'دینک ہندستان'، 'امر اجالا' اور 'ویر ارجن' و دیگر علاقائی ہندی اخبارات سے بھی منسلک رہے۔ 'ویر ارجن' و چند دیگر ہندی اخبارات میں ان کا کالم 'اردو اخباروں کا جائزہ' بہت مقبول رہا جو بہت دلچسپی سے پڑھا جاتا تھا۔ اِس وقت خورشید صاحب انسٹی ٹیوٹ آف آبجیکٹو اسٹڈیز اور آل انڈیا ملّی کونسل کے میڈیا کوآرڈینیٹر اور ماہنامہ 'آئی او ایس' کے اردو خبرنامہ کے مدیر کے طور پر کام کر رہے تھے۔کئی اہم ترین کتابوں کی تیاری میں بھی ان کا کلیدی رول رہا ہے۔

خورشید صاحب کو متعدد صحافتی ایوارڈز و اعزازات سے نوازا گیا۔ گزشتہ سال پریس کلب آف انڈیا نے انھیں اپنا ممبر بنایا تھا۔ابھی تک ان کے تقریباً تین ہزار اردو، دو ہزار ہندی مضامین، فیچر اور نیوز اسٹوریز شائع ہو چکی ہیں۔معروضی و فنی صحافت کو خواہ وہ ہندی میں ہو یا اردو میں، کو فروغ دینے میں خورشید عالم نے اہم کردار ادا کیا۔

ادارہ 'ہماری زبان' مرحوم کے لیے مغفرت اور پس ماندگان کے لیے صبرِ جمیل کی دعا کرتا ہے۔ (ادارہ)

○

سری نگر۔مشہور کشمیری ادیب، شاعر اور تاریخ داں پروفیسر غلام محمد شاد 80 برس کی عمر میں ایک طویل علالت کے بعد 6 اگست 2017 کو شیرِ کشمیر انسٹی ٹیوٹ آف میڈیکل سائنسز، سری نگر میں انتقال کر گئے۔ جنوبی کشمیر کے بجبہاڑہ قصبے میں 1939 میں پیدا ہوئے غلام محمد نجار جو ادبی حلقوں میں 'شاد' کے نام سے مشہور ہیں۔ پروفیسر شاد مشہور صحافی مرتضیٰ شبلی کے والد تھے۔ پروفیسر شاد ادبی حلقوں میں ایک مصنف، شاعر اور اعلیٰ پایے کے اسکالر کی حیثیت سے مقبول رہے ہیں۔اُن کی خدمات کو ہمیشہ یاد کیا جاتا رہے گا۔

ادارہ 'ہماری زبان' مرحوم کے لیے مغفرت اور پس ماندگان کے لیے صبرِ جمیل کی دعا کرتا ہے۔ (ادارہ)

# نئی کتابیں

تبصرے کے لیے دو کتابوں کا آنا ضروری ہے

نام کتاب : سیماب لفظ لفظ
مرتبین : ڈاکٹر ساحر شیوی، افتخار امام صدیقی
ضخامت : 240 صفحات
قیمت : 300 روپے
ملنے کا پتا : موڈرن پبلشنگ ہاؤس، 9 گولا مارکیٹ، دریا گنج، نئی دہلی-110002

تبصرہ نگار : سعید اختر اعظمی
E-mail: sakhtar0075@gmail.com

آگرہ یا اکبرآباد دہلی ولکھنؤ کے مابین وہ سلطنت ہے جو اکبر، بابر، ہمایوں اور شاہجہاں کا پایۂ تخت رہا ہے۔ اس خطے نے ممتاز اربابِ کمال کو دعوتِ مرکزیت دی۔ دہلی دارالخلافہ منتقلی کے بعد یہاں کے معروف علما وشعرا دہلی ولکھنؤ چلے گئے۔ اس طرح آگرہ کی حیثیت پہلے جیسی نہیں رہی۔ باوجود اس کے یہاں کی زبان دہلی ولکھنؤ کی زبان کا نچوڑ کہلائی۔ آگرہ اسکول اسی لسانی تبلیغ کا ادارہ تھا۔ دبستانِ دہلی ولکھنؤ کی طرح دبستانِ اکبرآباد یا آگرہ اسکول کی تشکیل اساتذۂ سلف کی تائید کے لیے ناگزیر ہوگئی۔ بانیِ آگرہ اسکول سیمابؔ اکبرآبادی تھے جنھوں نے اپنے جریدے ماہنامہ 'شاعر' (آگرہ) کے سالنامہ 1937 میں تقریباً ساڑھے چارسو صفحات پر مشتمل 'آگرہ اسکول نمبر' پیش کیا تھا۔ سیمابؔ اکبرآبادی متنوع جہات شخصیت تھے۔ بانیِ آگرہ اسکول، مدیر، شاعر، مصنف، مترجم، محقق وتنقید نگار، سیرت وسوانح نگار، افسانہ وڈرامہ نگار، ادیبِ اطفال اور بھی بہت کچھ۔

ڈاکٹر ساحر شیوی اور افتخار امام صدیقی کی مرتب کردہ 'سیماب لفظ لفظ' سیماب اور دبستانِ سیماب سے متعارف کرانے کی امتیازی سعی ہے۔ اس میں افتخار امام صدیقی کے دیباچے کے شانہ بہ شانہ ذات وصفات، منظوم خراجِ عقیدت اور منتخب تخلیقات کا اندراج ہے۔ سیماب کی شخصیت، تصانیفِ سخن اور آگرہ اسکول پر اس میں نمائندہ تحریروں کی شمولیت ہے۔ مدیر 'شاعر' افتخار امام صدیقی کے علاوہ، دیگر قلم کاروں کی منظوم ومنثور نگارشات ہیں۔ حامد اقبال صدیقی، ڈاکٹر سرور اکبرآبادی، نیاز فتح پوری، پروفیسر حامدی کاشمیری، سید تقی عابدی، پروفیسر آفاق صدیقی، عظیم اختر، بی ایس جین جوہر، مظفر حسین عالی اور مظہر حسین صدیقی نے سیماب کی شخصیت کی تنوع جہتی پر گفتگو کی ہے اور یہ واضح کیا ہے کہ وہ معاصرین کی نظر میں علامہ، قبلہ، حضرت تھے تو افصح الملک، استاذ الاساتذہ کے لقب سے بھی انھیں یاد کیا جاتا ہے۔ ان کی تین سو سے زائد تصنیفات میں نصف سے زیادہ اشاعت سے محروم رہیں۔ انھوں نے اکبرآباد، ممبئی اور کراچی سے کئی رسائل کا اجرا کیا تھا جن میں سے ایک 'شاعر' بھی ہے۔ سیماب کی قادرالکلامی بے مثال رہی ہے۔ نظموں کے ہیئتی تجربے ان کی پختگیِ فن اور جدتِ طبع کے شاہد ہیں۔ پروفیسر سحر انصاری، ڈاکٹر شمیم احمد صدیقی، ڈاکٹر سید اختیار جعفری، ڈاکٹر مقبول احمد مقبول، ڈاکٹر زرینہ ثانی، سید عنایت علی علیگ اور خان حسنین عاقب نے ان کی نظم نگاری، اسلوبِ شاعری اور شعری تصانیف کا جائزہ لے کر یہ نتیجہ اخذ کیا ہے کہ ان کے موضوعات عرفان ومعرفت، تصوف، خودی وخودداری ہیں۔ انھوں نے معیارِ سخن کو جس پیرایے میں پیش کیا وہ انھی کا حصہ ہے۔

شامل وضع تھی خودداری فطرت سیماب
ہم جسے بھول گئے پھر نہ اسے یاد کیا

بجلیاں چمکی ہیں طوفان کی تاریکی میں
فیض پہنچا ہے چراغ سرساحل سے مجھے

اجڑنے پر بھی مری شانِ وضع داری دیکھ
کہ دل میں خاک بھری ہے، مگر غبار نہیں

پانی میں ایک جوش ہے، مٹی میں اک گداز
بنتا نہیں مزار ترے بے قرار کا

دنیا ہے خواب، حاصلِ دنیا خیال ہے
انسان خواب دیکھ رہا ہے خیال میں

عبدالرحمٰن پرواز اصلاحی نے 'وحی الٰہی کا ادبی ولسانی مرتبہ' متعین کرتے ہوئے تحقیق کی ہے کہ قرآن کے منظوم تراجم سیماب سے پہلے غلام مرتضٰی جنوں الہ آبادی (تفسیر مرتضوی)، شاہ غلام محی الدین سرہندی (تفسیر اویسی)، عبدالسلام بدایونی (زاد الآخرۃ)، شمس الدین شائق ایزدی (نظم البیان فی مطالب القرآن)، ابراہیم پانی پتی (تفسیرِ منظوم)، آغا عبدالرحیم عرشی گوالیاری (تفسیرِ عرشی)، سید غضنفر علی سونی پتی (تفسیرِ غضنفر)، آغا شاعر قزلباش (افصح الکلام)، مطیع الرحمٰن خادم (نظم المعانی)، اثر زبیری (سحرالبیان)، کیف بھوپالی (مفہوم القرآن)، سید شمیم اختر (آبِ رواں) کے تراجم دستیاب تھے۔ سیماب کی 'وحیِ منظوم' ان سب پر بھاری ہے۔ آگرہ اسکول پر مدیر 'شاعر' کی تحریر ہے تو شارق جمال نے 'غزلیاتِ سیماب' کا عروضی تجزیہ کیا ہے جب کہ منظوم خراجِ عقیدت میں ودیا ساگر آنند اور ساحر شیوی نے انھیں دینِ اردو کی اذان کہا ہے۔ آخری صفحات پر سیمابؔ کی مطبوعہ کتب کے سرورق، عکسِ تحریر اور منتخب کلام دیا گیا ہے جس سے تفہیمِ سیماب میں آسانی ہوجاتی ہے۔

بھرے گی ان کو میرے بعد لاکھوں رنگ سے دنیا
خلائیں چھوڑ دی ہیں میں نے کچھ اپنے فسانے میں

OOO

نام کتاب : نارنگ ساقی کی ادبی خدمات
مرتب : ڈاکٹر محفوظ الحسن
ضخامت : 112 صفحات
قیمت : 200 روپے
ناشر : عرشیہ پبلی کیشنز، نئی دہلی-95

تبصرہ نگار : ابراہیم افسر
E-mail: ibraheem.siwal@gmail.com

زیرِ تبصرہ کتاب دہلی میں مقیم مشہور ادیب، شاعر اور قلم کار کرشن لال نارنگ معروف بہ نارنگ ساقی کی 81 سالہ ادبی مساعی اور شعری جہات کا احاطہ کرتی ہے۔ اس کتاب کو مگدھ یونی ورسٹی (بہار) کے سابق صدر شعبۂ اُردو اور ڈین فیکلٹی آف ہیومنیٹز ڈاکٹر محفوظ الحسن نے مرتب کیا ہے۔ ڈاکٹر محفوظ الحسن نے نارنگ ساقی کی ادبی کاوشوں اور موصوف پر جو کتابیں مرتب کی گئیں ان پر مضامین، تبصرے اور تاثرات وقتاً وفوقتاً موقر ادبی رسائل وجرائد کے لیے سپردِ قلم کیے انھیں یکجا کر کے اُردو ادب کے قارئین کے سامنے پیش کیا ہے۔ پوری کتاب دس ابواب پر مشتمل ہے۔ فہرستِ ابواب اس طرح ہے: (1) پیش گفتار (2) کرشن لال نارنگ ساقی۔ ایک نظر (3) کنور مہندر سنگھ بیدی سحرؔ۔ ایک مطالعہ (4) مشاہیر کے خطوط، نارنگ ساقی کے نام پر ایک نظر (5) لطیفہ کا فن اور خوش کلامیاں قلم کاروں کی۔ ایک سرسری مطالعہ (6) میخانۂ اُردو کا پیر ومغاں نارنگ ساقی۔ ایک مطالعہ (7) مقبولِ عام اشعار اور انتخابِ کلام بیدی۔ ایک طائرانہ نظر (8) نارنگ ساقی کی نثر نگاری (9) ہمارے کنور صاحب (10) نارنگ ساقی کا ترتیبی سلیقہ اور ہمارے کنور صاحب۔ ڈاکٹر محفوظ الحسن اُردو دُنیا میں کسی تعارف کے محتاج نہیں ہیں۔ ان کی اب تک 20 کتابیں منظرِ عام پر آ کر داد وتحسین حاصل کر چکی ہیں۔ تحقیق وتنقید پر ان کی گہری نظر ہے۔ بلا لاگ لپیٹ کے بات کہنا ان کا شعار ہے۔ یہی انداز اور اسلوب ان کی پہچان اور شناخت کو منفرد بنائے ہوئے ہے۔

ڈاکٹر محفوظ الحسن نے پیش گفتار میں اس بات کی وضاحت کر دی ہے کہ ''نارنگ ساقی سے نہ تو میرے گہرے روابط ہیں اور نہ ہی کوئی ذاتی ملاقات اور نہ ہی دیرینہ تعلقات'' ہیں۔ پھر بھی مرتب نے نارنگ ساقی کی کتابوں کا نہ صرف گیرائی اور گہرائی سے مطالعہ کیا بلکہ ایک پوری کتاب ''نارنگ ساقی کی ادبی خدمات'' تحریر کی۔ نارنگ ساقی کی زندگی کے یہ بکھرے ہوئے اوراق قاری کے لیے ایک وسیع کینوس کی حیثیت رکھتا ہے۔ نارنگ ساقی کے بارے میں پروفیسر گوپی چند نارنگ کا خیال ہے کہ نارنگ ساقی بے رنگ نہیں ہیں، ان کی پوری زندگی دوسروں لوگوں کے لیے رنگین ہے۔ نارنگ ساقی نے اپنی مصروف کاروباری زندگی سے ادب کے لیے وقت نکال کر ادبی دُنیا کے لیے نمایاں کارنامے انجام دیے۔ ان کا سب سے بڑا کارنامہ ''ادیبوں کے لطیفے'' 2004 (جس کے تین اڈیشن ہندستان اور پاکستان میں شائع ہو چکے) ہے۔ اس کتاب میں اُردو کے چوٹی کے ادیبوں کے لطیفے جمع کیے گئے ہیں۔ شاعروں اور نثر نگاروں کی حاضر جوابی بھی اس کتاب میں درج کی گئی ہے۔ یہ اُردو کی خوش قسمتی ہے کہ نارنگ ساقی نے اپنی ذاتی کوشش اور یادداشت کے سہارے ان ادبی لطائف کو جمع کر کے شائع کیا۔ جہاں آج بھاگ دوڑ بھری زندگی میں انسان کے پاس اپنے لیے بھی وقت نہیں ہے وہیں ایسے ماحول میں ادبی لطیفے یکجا کرنا کسی معجزے سے کم نہیں۔ نارنگ ساقی نے ''خوش کلامیاں قلم کاروں کی'' ہندی اور اُردو اڈیشن کے ساتھ 2007 میں شائع کی۔ دیکھا جائے تو یہ کتاب ''ادیبوں کے لطیفے'' کی توسیع ہے۔ نارنگ ساقی نے اُردو ادب میں اپنی منفرد شناخت ''سحر شناسی'' کے طور پر بنائی ہے۔ بقول مرتب نارنگ ساقی نے ساہتیہ اکادمی کی جانب سے ایک مونوگراف ''کنور مہندر سنگھ سحرؔ'' کے عنوان سے ترتیب دیا ہے۔ لیکن نارنگ ساقی اس سے قبل ''یادوں کا جشن'' (سوانح عمری کنور مہندر سنگھ بیدی سحرؔ)، ''ہمارے کنور صاحب'' اور ''کلیاتِ سحرؔ'' جیسی تصنیفات قلم بند کر چکے تھے۔ کنور مہندر سنگھ بیدی سے نارنگ ساقی کی والہانہ عقیدت اور محبت کا یہ عالم ہے کہ انھوں نے ایک شعر کے ذریعے سحرؔ صاحب کو خراج عقیدت یوں پیش کیا:

شرافت میں مروّت کو ملایا سیاست کو پھر اس میں ملایا
محبت سے پھر اس کو ضرب دے دی جواب آیا مہندر سنگھ بیدی

ڈاکٹر محفوظ الحسن نے نارنگ ساقی پر ترتیب دی گئی کتابوں پر بھی اپنی طائرانہ نظر ڈالی ہے جنھیں دوسرے قلم کاروں نے مرتب کیا ہے۔ ایسی ہی ایک کتاب ''میخانۂ اُردو کا پیر ومغاں'' جسے ڈاکٹر نذیر فتح پوری نے مرتب کیا ہے، میں اُن مضامین کو شامل کیا گیا ہے جس میں نارنگ ساقی کی ادبی رشحاتِ قلم اور فن کو قدر کی نگاہ سے دیکھا گیا ہے۔ اس کتاب میں ہند وپاک کے نامور ادیبوں نے نارنگ ساقی کے اسلوب اور ادبی کاوشوں پر اظہارِ خیال کیا ہے۔ ان میں جمیل جالبی، مشفق خواجہ، شمس الرحمٰن فاروقی، پروفیسر گوپی چند نارنگ، ڈاکٹر خلیق انجم، قتیل شفائی، مجتبیٰ حسین، یوسف ناظم، ڈاکٹر انور سدید اور پروفیسر وہاب اشرفی وغیرہ کے نام نمایاں ہیں۔ اسی طرح سیفی سرونجی نے ''مشاہیر کے خطوط نارنگ ساقی کے نام'' سے مکتوبات کو جمع کیا۔ نارنگ ساقی کے نام مکتوبات لکھنے والوں میں اُردو ادب کے مایہ ناز قلم کار شامل ہیں۔ ان خطوط کے بارے میں ڈاکٹر محفوظ الحسن نے واضح لکھا ہے کہ سیفی سرونجی اگر ان خطوط کو تاریخی ترتیب دیتے تو ان خطوط کی ادبی حیثیت میں گراں قدر اضافہ ہوتا۔ ان مکتوبات پر اظہارِ خیال کرتے ہوئے ڈاکٹر محفوظ الحسن یوں رقم طراز ہیں:

''ان خطوط کا مطالعہ کرنے سے مکتوب نگار اور مکتوب الیہ دونوں کی شخصیت کی بہت ساری گرہیں کھلتی ہیں۔ بہت سارے نہاں خانے میں تاکنے جھانکنے کا موقع ملتا ہے۔ خطوط ذاتی نوعیت کے بھی ہیں اور ادبی اجتماعی کے تعلق سے بھی۔ ادب کی سمت و رفتار کے بارے میں اطلاعات بھی حاصل ہوتی ہیں اور مختلف ممالک میں پھیلے جاں نثارانِ اُردو کی مشغولیات سے بھی واقفیت ہوتی ہے۔''

کتاب میں ڈاکٹر محفوظ الحسن نے نارنگ ساقی کے نظریات سے انحراف بھی کیا ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ یہ کتاب نارنگ ساقی کی علمی و ادبی شخصیت اور فن کو سمجھنے میں ضرور معاون ثابت ہوگی۔ ❑❑

بقیہ صفحہ 4 سے آگے

وترتیب اور ان کی ترجیح پر شعوری توجہ دیں، خبروں کے متن پر نظر ثانی ہو اور خصوصی رپورٹنگ، بائی لائن رپورٹنگ، ایڈیٹوریل میٹنگ، خبروں کے لیے اضافی متعلقات، انوسٹی گیٹنگ رپورٹنگ اور تاثراتی اسٹوری کا اردو صحافت میں اہتمام ہوتا رہے اور ان چیزوں کو بڑھاوا دیا جائے تو کم سے کم وقتوں میں اردو صحافت کا معیار زیادہ سے زیادہ بلند ہوسکتا ہے۔

انفرادی قوت سے استفادہ پر زور دیتے ہوئے جناب اسفر فریدی نے کہا کہ اخباری دنیا میں رپورٹنگ کی بڑی اہمیت ہے۔ انھوں نے فیلڈ رپورٹنگ کے اصولوں پر توجہ دلائی اور بتایا کہ غیر ضروری حساسیت سے بچتے ہوئے اور کم وقت میں زیادہ سے زیادہ ذرائع سے رابطہ بنا کر، بنیادی حقائق کے تحفظ، احتیاط، تازہ کاری، غیر متعلقہ مواد کی تخفیف، جیسے امور کا خیال رکھتے ہوئے بہترین رپورٹنگ ہوسکتی ہے۔

جناب خورشید ہاشمی نے پروپگنڈہ خبروں سے بچنے اور بحیثیت کل وقتی صحافی، ہمیشہ ہی ہنگامی حالات کا سامنا کرنے کے لیے تیار رہنے کی ضرورت واہمیت بتائی اور خبروں کے انتخاب میں چوکسی برتنے پر زور دیا۔ انھوں نے کہا کہ مطلوب خبروں، قاری کی زندگی کے لیے اثر انداز خبروں اور عوامی سروکار اور عام دل چسپی کی خبروں کے بالترتیب استعمال کے بعد جو کچھ بچ رہے اس کی اشاعت اور عدمِ اشاعت سے اصولاً کوئی فرق نہیں پڑتا۔ رپورٹنگ میں عوامی اور قومی و ملکی مفادات کے تحفظ پر ہمیشہ نظر رہنی چاہیے۔

سید شہباز عالم نے سرخی نویسی کے فن کی طرف توجہ دلاتے ہوئے کہا کہ فسادات اور بدعنوانی کی خبروں کو احتیاط سے دیکھنا ضروری ہے تاکہ مزید معاشرتی و قومی نقصان کا امکان پیدا نہ ہو اور اخبار کے سامنے کوئی قانونی الجھن نہ آئے۔ انھوں نے سرخی میں کم الفاظ کے استعمال اور دلچسپی کے الفاظ وعناصر کی شمولیت پر توجہ دلائی اور بتایا کہ خبر کا اہم حصہ شروع میں رہنا چاہئے اور جملوں کی ساخت میں طوالت اور کجی نہیں آنی چاہئے۔

جناب احمد جاوید نے خبر اور اداریہ کے کالم میں اشتہارات ڈالے جانے کے رجحان کو ایک بڑی غلطی اور کمی بتاتے ہوئے، اداریہ نویسی کے فنی اصول ولوازم پر روشنی ڈالی اور اداریہ کو خبر کی اعلیٰ ترین سطح بتاتے ہوئے، تقابلی انداز میں، مراسلات، کالم نویسی، فیچر نگاری وغیرہ سے اداریہ نگاری کا فرق واضح کیا اور بتایا کہ اداریے اور خبروں میں ایک خاص قسم کا تال میل ہونا چاہیے۔

جناب ارشاد الحق نے ہندی صحافت کی موجودہ ذہنی پسماندگی پر افسوس کا اظہار کرتے ہوئے لائیو رپورٹنگ کی اخلاقیات پر توجہ دلائی اور کہا کہ اس میں نظر ثانی کا موقع نہیں ہوتا ہے۔ اس لیے یہ یک گونہ خطرناک بھی ہے اور خاص احتیاط بھی چاہتی ہے۔ یہاں قومی وقار کا خیال اور الفاظ پر مناسب قدرت رکھنا ضروری ہے اور یہ بھی ضروری ہے کہ اردو اخبارات ورسائل کو زیادہ سے زیادہ انٹرنیٹ پر لانے، نئے نوجوان قاری بنانے اور نئے زمانے کے ساتھ مناسب تکنیکی تبدیلی کے لیے مسلسل محنت کی جائے۔

جناب راشد احمد نے ''کالم نگاری'' کے تعلق سے بتایا کہ یہاں موضوع کے انتخاب میں قاری کا لحاظ ضروری ہے۔ یہاں اگرچہ کچھ موضوع کھینچ کر بھی لائے جاتے ہیں اور اہم بن جاتے ہیں، لیکن یہ اسی وقت ممکن ہے جب کالم نگاری کی مقصدیت اور طرزِ پیش کش کی اہمیت پر پوری نظر رکھی جائے۔

جناب عبدالواحد رحمانی نے فیچر نگاری پر روشنی ڈالتے ہوئے اس کے لیے منصوبہ بندی اور خبر کے عناصر کی شمولیت کو ضروری قرار دیا اور اداریہ اور فیچر کا فرق بھی بتایا۔

جناب ریاض عظیم آبادی نے صحافت کی اخلاقیات اور اس کی عصری ضرورت ومعنویت پر روشنی ڈالتے ہوئے کہا کہ آئین کی رو سے پریس کی آزادی بھی کچھ حد بندیوں کے ساتھ ہے اور یہ ضروری ہے کہ ہم ان حدود کا خیال رکھیں۔ کسی کی کردارکشی نہ کریں، دلآزار مواد نہ چھاپیں اور صحافت کے سبھی شعبے میں سنجیدگی اور تہذیب کا خیال رکھیں، فسادات کی خبریں بناتے ہوئے خصوصی احتیاط برتیں، جرائم کی رپورٹ میں تحقیق سے کام لیں اور لیگل رپورٹنگ میں پوری ہوشیاری برتیں۔ جناب ریاض عظیم آبادی نے رپورٹنگ کے بعض دیگر پہلوؤں کی طرف توجہ دلاتے ہوئے یہ بھی کہا کہ صحافت میں انٹرویو نگاری کی بھی اپنی اہمیت ہے اور مجموعی لحاظ سے کارکن صحافیوں کی حوصلہ افزائی ضروری ہے۔

وقفۂ طعام کے بعد دوسرے سیشن کا آغاز ہوا جس میں ''راشٹریہ سہارا، تاثیر، عوامی نیوز، سنگم، پیاری اردو اور فاروقی تنظیم،، کے صحافیوں نے حصہ لیا۔ مختلف اخبارات کے صحافیوں سے، کئی گروپ بنا کر عملی ورکشاپ کے طور پر رپورٹنگ تیار کرنے کے لیے کہا گیا اور ان کی کارکردگی کا عملی تجزیہ کرتے ہوئے جناب احمد جاوید اور جناب مشتاق احمد نوری نے کئی اہم نکات کی طرف توجہ دلائی۔ جناب نوری نے منفی طرزِ فکر سے بچنے پر زور دیا اور جناب احمد جاوید نے فنی نزاکتوں کے حوالے سے بعض کمی کی طرف اشارے کیے۔ اس موقع پر پروگرام میں شامل اخباری نمائندوں کو جناب مشتاق احمد نوری (سکریٹری بہار اردو اکیڈمی) کے دستِ مبارک سے سند دی گئی اور انھیں زادِراہ بھی دیا گیا۔

**کلکتہ میں اردو کے نادر ذخائر**
معین الدین عقیل
قیمت: ۳۰۰ روپے

**کراچی میں اردو غزل اور نظم**
پروفیسر شاہد کمال
قیمت: ۳۰۰ روپے

**متن بر متن**
سرور الہدیٰ
قیمت: ۳۰۰ روپے

## انجمن ترقی اردو (ہند) کی چند مطبوعات

| | | |
|---|---|---|
| مجموعۂ خیال | صدیق الرحمٰن قدوائی | ۲۰۰/= |
| کلکتہ میں اردو کے نادر ذخائر | معین الدین عقیل | ۳۰۰/= |
| کراچی میں اردو غزل اور نظم | پروفیسر شاہد کمال | ۳۰۰/= |
| متن بر متن | سرور الہدیٰ | ۳۰۰/= |
| عباس اور نہرو | ڈاکٹر نریش | ۲۰۰/= |
| دوسر فروش شاعر: ... | وقار صدیقی | ۱۸۰/= |
| مسائل اور مکاتیب | ڈاکٹر نریش | ۱۵۰/= |
| میر تقی میر: حیات اور شاعری | پروفیسر خواجہ احمد فاروقی | ۵۰۰/= |
| لسانیات اور تنقید | ڈاکٹر ناصر عباس نیّر | ۳۵۰/= |
| کرشن چندر: فکر وفن | علی احمد فاطمی | ۳۰۰/= |
| انیسویں صدی میں ادب، تاریخ اور تہذیب (صدیق الرحمٰن قدوائی کے اعزاز میں مضامین) مرتّبین: اطہر فاروقی، رضا حیدر، سرور الہدیٰ | | ۳۰۰/= |
| نہ اب ہم ساتھ سیرِ گل کریں گے | کشمیری لال ذاکر | ۳۰۰/= |
| ترقی پسند ادب | علی سردار جعفری | ۳۰۰/= |
| دلّی کی درگاہ شاہِ مرداں | خلیق انجم | ۲۰۰/= |
| اردو ہندی ڈکشنری | انجمن ترقی اردو (ہند) | ۳۰۰/= |
| اسٹینڈرڈ انگلش اردو ڈکشنری | مولوی عبدالحق | ۵۰۰/= |
| پہلا ورق (سہ ماہی 'اردو ادب' کے منتخب اداریے) اسلم پرویز، انتخاب وترتیب: شمس الحق عثمانی، محمد فیروز دہلوی | | ۳۰۰/= |
| نامکمل | اطہر فاروقی | ۲۲۰/= |
| سیرتِ فریدیہ (سرسیّد احمد خاں) | مرتّب: خلیق انجم | ۱۵۰/= |
| ہندستان میں اردو سیاست کی تفہیمِ نو | اطہر فاروقی | ۲۶۰/= |
| انقلاب: ایک تاریخ، ایک تہذیب کی کہانی | عابداللہ غازی | ۸۵/= |
| بلیک ہول (ماحولیاتی آلودگی پر مبنی طویل ڈرامہ) | ڈاکٹر مظفر الدین فاروقی | ۱۲۰/= |
| دوکانِ شیشہ گراں (کتابیں اور لوگ) | شمیم حنفی | ۲۰۰/= |
| مجھے سب ہے یاد ذرا ذرا | خلیق انجم | ۲۳۰/= |
| غالب تنقید | جاوید رحمانی | ۱۱۰/= |
| آزاد ہندستان میں اردو زبان تعلیم اور صحافت | اطہر فاروقی | ۱۷۰/= |
| ہندستان میں فکری وتہذیبی اصلاح کا آغاز اور ماسٹر رام چندر | صدیق الرحمٰن قدوائی | ۱۸۰/= |
| The Court of Indar [اندرسبھا] (سیّد آغا حسن امانت) | افروز تاج | ۳۰۰/= |
| اردو ہے جس کا نام (رباعیات کا مجموعہ) | امیر چند بہار | ۱۱۰/= |
| پریم چند گھر میں (شِورانی دیوی) | مترجم: سیّد حسن منظر | ۲۰۰/= |
| ادب کی سماجیات: تصور اور تعبیر (مینجر پانڈے) | مترجم: سرور الہدیٰ | ۲۰۰/= |
| دہلی کے مسلمان دانشور (انیسویں صدی) مصنف: مشیر الحسن | مترجم: مسعود الحق | ۲۷۵/= |
| گفتگو اُن کی | اطہر فاروقی | ۱۵۰/= |
| جہانِ اقبال | عبدالرحیم خاں | ۷۵/= |
| کرشن چندر کے ناولوں کا تنقیدی مطالعہ (سیاسی اور سماجی پس منظر میں) | ڈاکٹر عبدالسلام صدیقی | ۸۵/= |
| ہم سفروں کے درمیان | شمیم حنفی | ۱۵۰/= |
| ڈاکٹر بشیر بدر کی شاعری (دیوناگری) | ڈاکٹر انجم بارہ بنکوی | ۶۰/= |
| محققِ غالب کالی داس گپتا رضا | محمد عارف خاں، ثاقب صدیقی | ۸۰/= |
| ہماری رسمیں | ڈاکٹر نریش | ۸۵/= |
| خواجہ غلام السیّدین | پروفیسر آل احمد سرور | ۲۲۰/= |
| خواجہ غلام السیّدین (مضامین اور تقریریں) | خلیق انجم | ۱۰۰/= |

# علاّمہ جمیل مظہری اور اُن کے برمحل اشعار

خلیق الزماں نصرت

میر کاظم علی، جمیل مظہری کے والد خورشید حسنین کا اسکول کی ملازمت کی وجہ سے جگہ جگہ تبادلہ ہوتا رہا۔ جمیل مظہری کی ولادت ستمبر 1904 میں ان کے نانیہال مغل پورہ، عظیم آباد میں ہوئی۔ اسکول کے ریکارڈ کے مطابق یکم جنوری 1905 ان کی تاریخِ پیدائش ہے۔ کہیں کہیں ان کی جاے پیدائش حسن پورہ سہسرام (بہار) بتائی گئی ہے۔ مظفر پور محلّہ سعد پور میں علامہ جمیل مظہری کی دادی کو وراثت میں ملے گاؤں کو انھوں نے اپنا مستقل گھر بنایا اور لوگ یہی جانتے ہیں کہ وہ مظفر پور کے رہنے والے تھے۔ وہیں ان کی مدرسے کی تعلیم ہوئی۔ والد کی ملازمت کی وجہ سے انھیں موتی ہاری میں جہاں ان کے والد رہائش پذیر تھے، اسکول میں داخلہ لینا پڑا۔ پھر جب ان کے والد نے اپنا تبادلہ مظفر پور کروالیا تو جمیل مظہری مظفر پور کے ضلع اسکول میں تعلیم حاصل کرنے لگے۔ بعد میں وہاں سے اچھی تعلیم کی غرض سے کلکتے اپنے ماموں کے پاس بھیجے گئے۔ بقیہ تعلیم انھوں نے کلکتہ میں حاصل کی۔ کلکتہ تعلیمی میدان میں انگریزوں کی وجہ سے بہت نمایاں تھا۔ وہاں انھیں لوگ مولانا کہتے تھے۔ کالج کے طلبہ اپنی آزاد خیالی کی وجہ سے بڑے ماڈرن بنتے تھے مگر مولانا سادگی پسند تھے اور کرتا، پاجامہ ہی پہنتے تھے۔ کچھ طلبہ ان کی اس سادہ مزاجی کا مذاق اڑاتے تھے۔ 1928 میں انھوں نے بی.اے اور 1930 میں ایم.اے کیا۔

وہاں وہ اپنے استاد وحشت کلکتوی سے ملے اور انھوں نے بخوشی اپنا شاگرد بنالیا۔ استاد وحشت کلکتوی کا شمار اردو اور انگریزی کے بہترین استادوں میں ہوتا تھا۔ جمیل مظہری کے والد بھی شاعر تھے اور اپنا تخلص خورشید کرتے تھے۔ بہت کم عمری سے جمیل مظہری اپنے والد کے ساتھ دینی محفلوں میں شرکت کرتے تھے اور استادوں کا مرثیہ اور سلام سنایا کرتے تھے۔ خاص کر انیسؔ اور دبیرؔ کے سلام انھیں ازبر تھے۔ ان کی شاعری کا جب ان کے والد کو پتا چلا تو ان کو مصرع دینے لگے۔ اس حوصلہ افزائی کی وجہ سے انھیں یہ ماحول بھا گیا۔ عموماً اُس زمانے میں لوگ اپنے صاحبزادوں کو شاعر بنانا پسند نہیں کرتے تھے اور آج تو صاحبزادے ہی اس لائق نہیں ہوتے، انھیں اردو سے کوئی سروکار ہی نہیں ہے تو اس کی شاعری کیا کریں گے؟

اسکول اور کالج کے زمانے ہی سے علامہ غزلیں، نظمیں کہنے لگے اور کہیں کہیں اشاعت کے لیے بھی بھیجنے لگے، رسالوں میں چھپنے لگے، مشاعروں میں شامل ہونے لگے۔ 23-24 برس کی عمر میں ایسے شعر کہنے لگے کہ ان کے اشعار پر کہنہ مشق شاعر کا لیبل لگنے لگا۔ اسی زمانے میں مضمون نگاری بھی شروع کی۔ ان کی دلچسپی صحافت میں بھی بڑھنے لگی۔ افسانے لکھے، مرثیہ اور سلام میں بہت مشہور ہوگئے۔ ان کی شاعری کا مقابلہ علامہ اقبال سے ہونے لگا لیکن ہر شاعر کا اپنا رنگِ سخن اور اس کی شناخت ہوتی ہے۔ اس پہلو سے دیکھا جائے تو علامہ جمیل مظہری کا اپنا ایک منفرد لہجہ و شناخت ہے۔ بے شک وہ اپنے ہمعصروں میں ممتاز تھے۔ علامہ بہت اچھے خطیب بھی تھے۔ نامور شعرا نے ان کی تعریف کی ہے۔ مولانا بہت کم سخن تھے۔ دوسروں کی مدد کرنے میں خوشی محسوس کرتے تھے مگر اپنی ذات پر بہت کم خرچ کرتے تھے۔ ایک سگریٹ کو پیتے پیتے بجھا کر رکھ دیتے تھے اس کو دوسری بار بھی استعمال کرتے تھے۔ کوئی سکہ گر جائے تو بہت دیر تک اسے تلاش کرنے میں پریشان رہتے تھے۔ ایسی عادتوں کی وجہ سے لوگ انھیں کنجوس سمجھتے تھے مگر یہ ان کی عادت سی بن گئی تھی۔ وہ کفایت شعاری پر عمل کرتے تھے۔

جمیل مظہری کی ملازمت کی ابتدا بہار میں پبلی کیشن آفیسر کی حیثیت سے ہوئی مگر 1942 میں بھارت چھوڑو تحریک میں شامل ہوکر نوکری چھوڑ دی۔ 1947 میں مرکزی حکومت کے محکمۂ نشر و اشاعت میں ڈپٹی ڈائرکٹر ہوئے۔ اس عہدے پر زیادہ دنوں تک نہیں رہ پائے۔ آزادی سے کچھ قبل فلموں میں کام کیا۔ مکالمے اور نغمے بھی لکھے۔ ان کی فلمیں کروکشیتر (1945)، باپ (1946)، جھوٹی قسمیں (1948) اور جوانی کی آگ (1951) ہیں۔ جوشؔ ملیح آبادی سے خوب جمتی تھی۔ آغا حشر سے بھی تعلق تھا۔ ان حضرات کی وجہ سے فلموں میں رہے لیکن وہاں سے بہت جلد اکتا گئے۔ وہاں کا ماحول ان کے مزاج کے برخلاف تھا۔

پٹنہ واپس آگئے اور یونیورسٹی سے منسلک ہوگئے۔ 1974 میں اپنے وطن مظفر پور آگئے۔ صحت اچھی نہیں رہی۔ وہیں 24 جولائی 1980 کو بھیکن پور میں علامہ ہمیشہ کے لیے دنیا چھوڑ گئے۔

ان کے چند برمحل اشعار میں نے ان کے دیوان سے منتخب کیے ہیں۔ برسوں سے پٹنہ کے ''قومی تنظیم'' اخبار کے ہیڈ پر ایک شعر علامہ جمیل مظہری کے نام سے چھپ رہا ہے اور اس شعر میں برمحل بننے کی پوری خوبی ہے:

ہو مبارک جنھیں چہرے کی سیاہی ہو عزیز
ہم کو آئینہ دکھانا ہے دِکھا دیتے ہیں

اس شعر کا پہلا مصرع آثارِ جمیل (ص:138 میں) اس طرح ہے:

''نہ سیاہی کے ہیں دشمن، نہ سفیدی کے ہیں دوست''

پہلا مصرع علامہ جمیل مظہری نے خود ہی بدلا ہوگا۔ دوسرے برمحل اشعار ملاحظہ فرمائیں:

وہ جا چکے ہیں اور آنکھوں پہ اعتبار نہیں
وہ آ چکے ہیں مگر انتظار باقی ہے
(فکرِ جمیل، ص94)

دیکھنے والوں نے سمجھا مری منزل اس کو
میں جہاں بیٹھ گیا حسرتِ منزل لے کر
(فکرِ جمیل، ص33)

جلانے والے جلاتے ہی ہیں چراغ آخر
یہ کیا کہا کہ ہوا تیز ہے زمانے کی
(فکرِ جمیل، ص48)

اس کو کیا حق ہے کہ قطرے سے سمندر مانگے
جس نے قطرے کو سکھایا نہیں دریا ہونا
(فکرِ جمیل، ص26)

یہ مہرتاباں سے کوئی کہہ دے کہ اپنی کرنوں کو گن کے رکھ لے
میں اپنے صحرا کے ذرّے ذرّے کو خود چمکنا سکھا رہا ہوں

یہ تو ہیں چند اشعار جو بہت مشہور ہوئے مگر اس کے علاوہ بھی کئی ایسے اشعار ہیں جنھیں وہ مقبولیت نہیں ملی جو ملنی چاہیے۔ برمحل اشعار ہی کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ جو بات ہزاروں باتوں سے نہیں بن سکتی ہے، وہ ایک شعر سے ہوسکتا ہے۔ کسی بھی مدِمقابل کو ایک شعر سے پسپا کیا جاسکتا ہے۔

نوٹ: یہ مضمون میری آئندہ شائع ہونے والی کتاب ''برمحل اشعار اور ان کے مآخذ'' (حصہ دوم) میں شامل ہوگا۔

---

**خلیق الزماں نصرت**
F/15، بلاک نمبر 4B، سائی نگر کالونی، بھیونڈی-421302، ممبئی
E-mail: nusratkhalique@gmail.com

مدیر : اطہر فاروقی
Editor : Ather Farouqui
شریکِ مدیر : محمد عارف خاں
Joint Editor : Mohd. Arif Khan
پرنٹر پبلشر : عبدالباری
Printer Publisher : Abdul Bari
سرکولیشن انچارج: امیرالحسن رحمانی
Circulation Incharge: Amirul Hasan Rahmani
مطبوعہ : اصیلا آفسٹ پرنٹرز، نئی دہلی
مالک : انجمن ترقی اردو (ہند)
اردو گھر، 212، راؤز ایونیو، نئی دہلی-110002
Proprietor:
Anjuman Taraqqi Urdu (Hind)
Urdu Ghar, 212-Rouse Avenue,
New Delhi-110002
قیمت : فی شمارہ: تین روپے، سالانہ: ۱۲۵: روپے
بیرونی ممالک: آٹھ امریکن ڈالر
Subscription: (Per Issue): Rs. 3/-, Annual: 125/-
(Foreign Countries: US $ 8)
E-mail: hamarizaban.weekly@gmail.com
http://www.atuh.org,
Phones: 0091-11-23237722,23237733

ادارے کا مضمون نگاروں کی آرا سے متفق ہونا ضروری نہیں ہے (ادارہ)

Printed and Published by Abdul Bari on behalf of Anjuman Taraqqi, Urdu (Hind)
Urdu Ghar, 212-Rouse Avenue, New Delhi-110002
and Printed at Asila Offset Printers, 1307-08, Kalan Mahal, Darya Ganj,
New Delhi-110002, Editor: Dr Ather Farouqui